بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۶۲ — ۱۰/جولائی ۲۰۲۵ء مطابق ۱۴/محرم الحرام ۱۴۴۷ھ — شمارہ نمبر ۱۷

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی	شمس الحق ندوی	۴
عظمتِ قرآن مجید	حضرت مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی	۶
غیروں کی مشابہت کا فتنہ	مولانا عبد الرشید راجستھانی ندوی	۸
سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۹
خلفائے اربعہؓ کی ترتیب خلافت	حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ	۱۰
نیا سال اور ہم	حضرت مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی	۱۲
ہٹلر کی واپسی	ڈاکٹر محمد وثیق ندوی	۱۳
سالِ نو اور اپنا جائزہ	مولانا محمد سمعان خلیفہ ندوی	۱۴
علامہ سید سلیمان ندویؒ	مولانا شاہ اجمل فاروق ندوی	۱۶
غزہ-حقوقِ انسانی کی پامالی	مولانا انیس احمد ندوی	۱۸
دشمنوں کی سازشوں کو ناکام......	مولانا منور سلطان ندوی	۲۰
دینِ الٰہی کا نیا ایڈیشن	ڈاکٹر محمد اعظم ندوی	۲۲
قرآن مجید کا اعجاز لامحدود	محمد جاوید اختر ندوی	۲۵
مولانا سلطان ذوق ندوی کا انتقال	ابو احمد ندوی	۲۷
آسان ترجمۂ قرآن کریم	محمد اصطفاء الحسن ندوی	۲۸
مسلمانوں میں تعلیمی پسماندگی	محمد نفیس خاں ندوی	۳۰
ندوۃ العلماء-منزل بہ منزل	محمد نفیس خاں ندوی	۳۲

سرپرست

حضرت مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

نائب مدیر

محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

معاون مدیر

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

محمد نفیس خان ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت

مولانا عبد العزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرِ تعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT
A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)
IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157
State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہِ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ای میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406
website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/500	فی شمارہ -/25	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے۔ $100

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30₹ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر محمد طٰہٰ اطہر نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

اداریہ

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

شمس الحق ندوی

جب ہارون رشید خلیفہ ہوا تو لوگ مبارک باد پیش کرنے کے لیے آئے ،علماء بھی ،ادباء بھی ،شعراء بھی آئے اور اپنے علم ومنصب کے اعتبار سے ہدایا اور تحائف سے لدے پھندے واپس ہوئے ،مگر حضرت ابوسفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جو بچپن کے جگری دوست تھے ،جنہیں سب سے پہلے آنا چاہیے تھا، وہ نہ آئے ؛ بلکہ انہوں نے قطعی بے رخی برتی۔

جیسے اب بچپن کے حسین یادوں کا سارا دفتر محو ہو چکا ہو، یہی نہیں ؛ بلکہ طبیعت میں اتنا ہی تکدر،غصہ اور نفرت پیدا ہوگئی، جتنا پہلے تعلق اور لگاؤ تھا، ایسا کیوں ہوا؟ جبکہ ایک کے تخت سلطنت اور دوسرے کے بوریا تک پہنچنے سے قبل کوئی ناگوار بات نہ پیش آئی تھی، باہم کسی قسم کا بغض وحسد، نہ کینہ کپٹ اور نہ ایک کو تخت شاہی مل جانے کا دوسرے کو رنج وملال یا حرص وطمع، یہ عجیب پہیلی ہے جس کو ہماری آج کی مادہ پرست دنیا اپنی ساری توانائیوں کے باوجود نہیں بوجھ سکتی، اگر بوجھ سکے تو شاید اس کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔

اگر یہ آنے والا آجاتا تو نہ جانے کیا کیا اعزاز اور آؤ بھگت ہوتی ، کیسے کیسے انعامات حاصل ہوتے ، بچپن کی بے داغ وپر خلوص محبت کے حق کن کن صورتوں سے ادا کیے جاتے ،حضرت سفیان کو آنا تھا، نہ آئے ، ہارون کچھ دنوں تک تو اپنے زعم اقتدار میں ان کے آنے کا منتظر رہا، جب مایوس ہوگیا تو حضرت سفیان کو خط لکھا اور آنے کی دعوت دی۔

خط میں لکھا: میرے بھائی: تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو باہم بھائی چارہ کا حکم دیا ہے، تم سے میری محبت اللہ کے لیے ہے، اس میں اب بھی کوئی کمی نہیں ہوئی ہے، ہمیں تم سے از حد محبت ہے اور رہے گی، اگر خلافت کی ذمہ داری سفر سے مانع نہ ہوتی تو میں ضرور تمہارے پاس آتا خواہ ہزار دشواری تم تک رسائی میں پیش آتی، ہمارے تمہارے احباب میں کوئی ایسا نہیں جس نے آکر مجھے خلافت کی مبارک باد نہ دی ہو اور اس کو میں نے بیت المال سے خوب خوب ہدایا وتحائف نہ دیے ہوں، تمہیں مومن سے ملنے جلنے اور اس سے تعلق قائم کرنے کی فضیلت معلوم ہے، لہٰذا تم آنے میں جلدی کرو، خلیفہ نے خط لکھ کر عباد طالقانی کے حوالے کیا اور وہ کوفہ کے لیے روانہ ہوگیا، جب اس مسجد میں پہنچا جہاں حضرت سفیان ثوریؒ اپنے چند معتقدین کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت سفیان کو کھٹک پیدا ہوئی، انہوں نے جیسے محسوس کرلیا ہو کہ عباد خلیفہ کا کوئی پیغام لا رہا ہے، بے ساختہ زبان سے نکلا: شیطان مردود سے اس خدا کی پناہ جو خوب جاننے اور سننے والا ہے، ایسے آنے والے سے کہ جس کا آنا مشکوک ہے کہ بھلے مقصد سے آرہا ہے یا کوئی پیغام آفت لا رہا ہے یہ کہہ کر فوراً نماز کے لیے تیار ہوگئے ، نیت باندھ لی، عباد مبہوت وحیرت زدہ کھڑا رہا، خدام میں سے کسی نے کہا کہ بیٹھ جاؤ، جیسے ان حضرات کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی، حالانکہ یہ حکومت وقت کا ایلچی تھا جس کا ایک اشارہ سب کے لیے قابل گردن زدنی ہوسکتا تھا؛ کیونکہ یہ اس کی نہیں ؛ بلکہ خلیفہ کی توہین تھی، اس منظر سے عباد پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ بیٹھنا تو کجا، پوچھنے کی بھی جرأت نہ ہوئی، کھڑے ہی کھڑے اپنے تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں سے خلیفہ کا خط حضرت سفیان ثوری کی طرف پھینک دیا، وہ اس خط سے اس طرح چونکے اور اپنی جگہ سے ہٹے جیسے کوئی سانپ ان کے قدموں کے پاس آگیا ہو، جب سلام پھیرا تو آستین سے اس احتیاط سے خط پکڑا کہ جیسے کوئی خوفناک زہریلا جانور ہو، اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے ایک خادم کو خط تھماتے ہوئے فرمایا کہ: پڑھو، میں اس بات سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ ایسی چیز کو ہاتھ لگاؤں جس کو ظالم کے ہاتھوں نے چھوا ہو۔

خط پڑھا گیا، حضرت سفیان نے انتہائی استعجاب کی کیفیت میں مسکراتے ہوئے فرمایا: اس ظالم کا جواب اس خط کی پشت پر لکھ دو، توجہ دلائی گئی کہ یہ خلیفہ وقت کے پاس جائے گا، مناسب تھا کہ کسی صاف ستھرے کاغذ پر لکھا جاتا، فرمایا: اس کی پشت ہی پر لکھو، اگر اس نے حلال ذریعے سے اس کاغذ کو حاصل کیا ہے تو اسے اجر وثواب ملے گا اور اگر حرام وناجائز طور سے حاصل کیا ہے تو وہ خود اس کو لے کر جہنم میں جائے گا، میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز

رہے جس کو ظالم کے ہاتھوں نے چھوا ہو، اور اس سے ہمارے دین میں خلل آئے مزید کچھ کہنے کی کسی کو مجال نہ تھی، کاتب نے پوچھا کہ کیا لکھنا ہے، فرمایا: لکھو۔

بندۂ ناچیز سفیان کی طرف سے امیدوں کے فریب خوردہ اس ہارون کے نام جس سے حلاوتِ ایمانی اور قرآن کی لذت چھن چکی ہے، امابعد! میں نے تم سے رشتہ کاٹ لیا، محبت ختم کردی، تم نے خط بھیج کر مجھے اپنے خلاف گواہ بنالیا، تم نے مسلمانوں کا مال ان کی مرضی کے بغیر بے محل صرف کیا ہے۔ کیا تمہارے اس عمل سے وہ لوگ جو تالیف قلب کے مستحق تھے، نیز مجاہدین، اہل علم، یتیم اور بیوائیں اور عمال حکومت مطمئن اور خوش ہوں گے، تم اس سوال کا جواب تیار رکھو، عذابِ خداوندی سے بچنے کا کوئی چارہ ڈھونڈ لو، جلد ہی تم قادر مطلق اور عادل حاکم کے سامنے کھڑے ہوگے، رعیت کے بارے میں خدا سے ڈرو، امت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھو، اس صورت میں تم کیا منہ دکھاؤ گے جب کہ زہد وتقوی، تلاوتِ قرآن، نیکوکاروں کی ہم نشینی کی حلاوت سے محروم ہو چکے ہو اور اپنے آپ کو ظالم اور ظالموں کا قائد بنالیا ہے، اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب قادر مطلق کا منادی آواز دے گا کہ ظالموں کو اور ان کے معاونین کو جمع کرو، ذرا اس تکلیف کا تصور کرو جب تم خدا کے سامنے اس طرح آؤ گے کہ تمہارے ہاتھ تمہاری گردنوں سے بندھے ہوں گے، اور ان کو تمہارے عدل و انصاف اور غربا پروری کے سوا کوئی طاقت نہ کھول سکے گی، تمہارے آگے پیچھے ظالموں کا گروہ ہوگا اور تم ان کے امام ہوگے، انہیں لے کر آگ کی طرف چلو گے، اپنی نیکیوں کو دوسروں کے ترازو میں رکھو گے اور دوسروں کی برائیوں کو اپنی ترازو میں پاؤ گے، ہارون! خلافت تمہارے پاس سے غیر کے پاس جانے والی ہے، اس دنیا کی یہی ریت ہے، یہاں کوئی خوش نصیب ہوتا ہے اس سے اپنی آخرت سنوار لیتا ہے، کوئی ہوا وہوس کا بندہ ہوتا ہے، اس سے اپنی دنیا وآخرت دونوں برباد کرلیتا ہے، تم اپنے بارے میں سوچ لو کہ نفع اٹھانے والوں میں ہو یا نقصان! خبردار اس کے بعد مجھ کو کوئی خط نہ لکھنا، میں جواب نہ دوں گا، خط کا مضمون ختم ہوا اور ایسے ہی کھلا ہوا عباد کی طرف پھینک دیا، عباد اس شان بے نیازی کا ایسا اثر ہوا کہ اس نے درباری شاہی کی پوشاک اتار دی، اون کا جبہ اور عبا پہن لیا اور ننگے پاؤں ہارون کے پاس حاضر ہوا، ہارون عباد کو دیکھ کر مضطرب و پریشان ہو گیا، سر پیٹنے لگا، اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے لگا اور کہنے لگا: غلام کامیاب ہوا اور آقا محروم رہا، ہمارا دنیا سے کیا تعلق؟ ملک جلد مجھ سے چھن جائے گا، عباد نے ہارون کو حضرت سفیان کا خط بڑھا دیا، اب ہارون کے عجیب کیفیت تھی، خط پڑھتا جارہا تھا اور زار زار رو رہا تھا، بعض درباریوں نے کہا: امیر المومنین! سفیان نے بڑی جسارت کی ہے، اس کو گرفتار کرالیں تاکہ دوسروں کو عبرت ہو، ہارون کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور کہا: دنیا کے غلامو! سفیان کو انہی کے حال پر رہنے دو، فریب خوردہ تو وہ ہے جس کو تم دھوکہ دو، بدنصیب وہ ہے جس کے ساتھ تم دنیادار لوگ بیٹھو، سفیان تو خود ایک دنیا ہے۔

❁❁❁

(باقی صفحہ نمبر ۲۷ کا) ۶۹ء میں بنگلہ دیش میں حالات خراب ہونے کی وجہ سے آپ مدرسہ کی تدریس چھوڑنے پر مجبور ہو گئے، اور کسبِ معاش کے لیے اردو اخبار 'شجاعت' میں پروف ریڈر کی حیثیت سے مامور ہوئے؛ لیکن جلد ہی اپنی ادبی وصحافتی لیاقت کی وجہ سے ایڈیٹنگ کی ذمہ داری دی گئی، سیاسی ابتری کے دوران ہی آپ ایک بار پھر تدریس سے منسلک ہوئے، اور جامعہ عربیہ بابونگر میں استاد مقرر ہوئے؛ لیکن ۷۱ء میں حالات بہتر ہونے کے بعد جامعہ اسلامیہ واپس آ گئے، اور حدیث کی اہم کتابوں کی تدریس کے ساتھ شعبۂ عربی کے مشرف بنائے گئے۔

۸۵ء میں آپ نے جامعہ سے الگ ہوکر مفکرِ اسلام کے مشورہ سے ندوہ کے طرز پر 'جامعہ دار المعارف الاسلامیہ' چاٹگام کی بنیاد ڈالی، اور اسے اپنے تعلیمی ذوق و منہجی نظریات کا مظہر بنایا۔ اسی کے ساتھ 'مجمع اللغۃ العربیۃ بنگلہ دیش' کی تاسیس بھی آپ کے علمی وادبی افکار ونظریات کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا فیض بنگلہ دیش میں محدود نہیں رہا؛ انھوں نے علمی، ادبی، فکری اور تحقیقی سیمیناروں میں شرکت کرنے اطرافِ عالم کا سفر کیا۔ جن ممالک کا آپ نے دورہ کیا' ان میں سعودیہ، مصر، قطر، ہندوستان، مطہرہ، افغانستان، سری لنکا، کویت، ترکی، لیبیا، دبی، امریکہ وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ آپ رابطہ ادب اسلامی کی مجلس امناء کے ممبر اور بنگلہ دیش کی فرع کے صدر، 'الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین' کے ممبر اور مختلف علمی وتحقیقی مجلات کے مختلف مناصب پر فائز تھے۔

آپ کی تصنیفات میں: ''مسیرۃ الحیاۃ'' (اردو و بنگالی)، ''کلیاتِ ذوق''، ''الخطب المنبریۃ العصریۃ''، ''الجانب البلاغی فی شعر المتنبی''، ''المختارات الشعریۃ''، ''کلمات ادبیۃ فکریۃ''، ''جامِ ذوق''، ''التعلیقات النبویۃ علی الھمزیات النبویۃ''، ''دعوۃ الاصلاح والتطویر فی منہاج التعلیم''، ''طرق التاثیر والاقناع فی الدعوۃ الی اللہ''، ''موجز عن حیاۃ الامام الندوی''، ''موجز عن حیاۃ حکیم الاسلام''، ''الطریق الی الانشاء''، ''القراءۃ للراشدین''، ''القراءۃ العربیۃ للاطفال''، ''معلم الفارسیۃ''، ''الھدایۃ الی قواعد الاردیۃ''، ''الج المیسر''، ''القادیانیۃ - تعریف موجز'' ودیگر کتابیں ہیں، اور ان کے علاوہ ایک اچھی تعداد تحقیقی مقالات کی ہے، جو ادب، تاریخ، منہج تعلیم اور دعوت وغیرہ کے موضوعات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ❁❁

تعلیم القرآن

عظمتِ قرآن

حضرت مولانا بلال عبد الحی حسنی ندوی

قرآن مجید کا پہلا حق اس پر ایمان لانا ہے اور دوسرا حق اس کی عظمت کا ہے کہ اس کی بڑائی دل میں ہو، یہ بڑائی ہر حیثیت سے ضروری ہے، بڑائی ظاہر میں بھی ہو اور باطن میں بھی، ظاہر میں بڑائی و عظمت کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو ادب سے رکھا جائے، سب سے بلند جگہ پر رکھا جائے، اس کی صفائی ستھرائی کا اہتمام رکھا جائے، آج کل تو مسجدوں میں قرآن مجید کثرت سے ہوتے ہیں، ان پر گرد ہوتی ہے اور وہ بے ترتیبی سے رکھے رہتے ہیں' یہ خلافِ ادب ہے۔ اللہ کے کلام کا ادب یہ ہے کہ اس کو سلیقہ سے رکھا جائے، اس کی تعظیم کی جائے اور یہ تعظیم حقیقت میں ہمیں سکھائی گئی ہے، ایسا نہیں ہے کہ بس یوں ہی کوئی رائے قائم کر لی گئی اور اس پر عمل ہو رہا ہو، ارشادِ الٰہی ہے: {وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ}(الحج: ۳۲)(اور جس نے شعائر اللہ کی تعظیم کی تو یقیناً یہ دل کے تقویٰ کی بات ہے)

شعائر اللہ میں اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑی چیز اللہ کا کلام ہے، اس کی تعظیم ظاہراً بھی ہونا ضروری ہے، میں نے بہت سے ملکوں میں دیکھا کہ پیر پر قرآن مجید رکھ کر پڑھ رہے ہیں، یا زمین پر قرآن مجید کی جانب ہی پیر پھیلائے ہوئے ہیں اور وہ اس بات کو غلط بھی نہیں سمجھتے بلکہ کہتے ہیں کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جب کہ خود انسانی نفسیات میں یہ بات داخل ہے کہ وہ ادب واحترام کو پسند کرتا ہے۔

ایک مرتبہ مسجد نبویؐ میں لطیفہ ہوا، کچھ نوجوان قرآن مجید کی طرف پاؤں کیے ہوئے لیٹے تھے اور باتیں کر رہے تھے، ہمارے ایک بہت محترم عزیز جناب طارق حسن عسکری صاحب وہیں بیٹھے ہوئے تھے، وہ بڑے دلچسپ آدمی تھے، انہوں نے سوچا کہ اگر ان کو جا کر ٹوکا تو شاید بات ان کی سمجھ میں نہ آئے، اس لیے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ ان کے بالکل قریب گئے اور اپنے پیر ان لڑکوں کے منھ کی طرف کر کے لیٹ گئے، جب ان لڑکوں نے دیکھا تو ناگواری کا اظہار کیا، تب مولانا نے کہا کہ تمہیں اپنے منھ کی طرف میرا پیر کرنا برا لگ رہا ہے، پھر تمہیں یہ کیسے گوارا ہو گیا کہ تم قرآن مجید کی طرف پیر کیے ہوئے بے فکری کے ساتھ لیٹے ہو اور باتوں میں مست ہو، اس سے ان کو بات سمجھ میں آ گئی اور انہوں نے فوراً اپنے پیر سمیٹ لیے، اگر یہ بات زبان سے کہی جاتی تو شاید سمجھ میں نہ آتی۔

توقیر و تعظیم اور ادب و احترام ایک نفسیاتی چیز ہے، حیرت کی بات ہے کہ آدمی اپنے لیے اس کو پسند کرے، مگر اللہ کے کلام کے لیے اس کا خیال نہ رہے، یہ ایک طرح کی محرومی کی بات ہے۔ شعائر اللہ کی بے توقیری اچھی چیز نہیں ہے، اس سے اللہ کے یہاں محرومی لکھ جاتی ہے، اس لیے قرآن مجید کا ظاہری ادب واحترام بھی ضروری ہے کہ اس کو عظمت سے رکھا جائے، اگر تلاوت کرے تو زمین پر نہ رکھے بلکہ کسی اونچی چیز پر رکھ کر کرے، بہتر ہے کہ اس کی طرف پشت نہ کرے، غرض کہ ادب و احترام کی جو شکلیں بھی ممکن ہیں وہ کی جائیں۔

یہ بات بھی قرآن مجید کی بے توقیری میں شامل ہے کہ جب قرآن مجید کے نسخے پرانے ہو جاتے ہیں اور اس کے اوراق پھٹنے لگتے ہیں تو وہ کبھی کبھی مسجدوں میں یوں ہی ادھر ادھر پڑے ہوئے نظر آتے ہیں، ظاہر ہے یہ بھی بہت خطرناک چیز ہے، یہاں تک کہ بعض مرتبہ سڑکوں' گندی اور نامناسب جگہوں پر بھی قرآن مجید کے اوراق بعض مرتبہ نظر آتے ہیں، یہ بہت بے ادبی اور آخری درجہ کی بات ہے، اس کا اہتمام ہونا چاہیے کہ اگر قرآن مجید بوسیدہ ہو جائیں تو ان کو کہیں ادب سے ایسا کر دیا جائے کہ اس کی توبے توقیری نہ ہو، علماء نے اس کی مختلف شکلیں بتائی ہیں، اسی لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ اگر کہیں قرآن مجید کے اوراق نظر آئیں ۔قرآن مجید تو بہر حال بہت اونچی چیز ہے۔ اگر قرآن مجید کے الفاظ وحروف بھی کہیں نظر آجائیں یا اس زبان کی کوئی اور تحریر بھی نظر آجائے، تو بہتر ہے کہ توقیر قرآن کے نتیجہ میں اس کو بھی ادب سے اٹھا کر کہیں پر ایسا کر دیا جائے کہ نسبت قرآنی کی وجہ سے بے توقیری نہ ہو، قرآن نہ ہو بلکہ اگر کوئی دینی کتاب ہو تو اس میں آیات ہو سکتی ہیں، یا اس میں الفاظ قرآن ہو سکتے ہیں تو اس کی بھی توقیر ہونی چاہیے۔

قرآن مجید کی باطنی توقیر بھی ضروری ہے اور باطنی توقیر یہ ہے کہ اس کی عظمت ومحبت دل میں ایسی جاگزیں ہوجائے کہ جب بھی حکم قرآن سامنے آئے تو ساری خواہشات دب جائیں، جب اللہ کا حکم آگیا اور قرآن مجید کی آیت پڑھ کر سنائی گئی تو اب اس کے بعد ہماری خواہش، ہماری رسم اور ہمارے ارادے کوئی حیثیت نہیں رکھتے، قرآن مجید میں صاف ارشاد ہے:

{یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَیْنَ یَدَیِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِیعٌ عَلِیمٌ} (الحجرات: ۱)

(اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے مت ہوا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ خوب سنتا، خوب جانتا ہے۔)

جب اللہ اور اس کے رسول کا حکم آگیا، اس کے بعد آدمی اس حکم سے دائیں بائیں ہو اور اپنی رائے چلائے تو یہ بڑی بے توقیری کی بات اور اللہ کے حکموں کی پامالی ہے، اس لیے یہ بھی توقیر اور قرآن مجید کی عظمت کا حصہ ہے کہ اس کو بلند رکھا جائے، ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی یعنی اس کے حکموں کو بلند رکھا جائے اور اس کی محبت تمام کتابوں سے زیادہ ہو۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی پڑھتے پڑھتے تھک جاتا ہے اور طبیعت اکتاتی ہے تو چاہیے کہ اسے رکھ دے پھر جب جی چاہے تو پڑھے، اگر یہ خیال اس کے اندر پیدا ہوجائے کہ یہ میرے رب کا کلام ہے تو شاید پڑھنے میں لطف آجائے اور مزہ آنے لگے، کتنے اللہ کے بندوں کو دیکھا گیا جو قرآن مجید نہیں پڑھ پاتے تھے مگر وہ قرآن مجید کھول کر بیٹھ جاتے تھے اور ہر ہر سطر پر انگلی پھراتے ہوئے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھتے رہتے تھے، بعضوں کے بارے میں سنا کہ وہ ہر ہر سطر پر انگلی پھیرتے جاتے اور "ھذا کلام ربی" پڑھتے رہتے تھے۔

اگر دل کے اندر عظمت ومحبت پیدا ہو تو عمل کرنے میں سہولت ہوتی ہے، اگر اللہ کا کلام اور اس کا حکم سامنے آجائے تو یہ کیسے ہوگا کہ آدمی اس کو پیچھے ڈال دے، اس کا ادب یہ ہے کہ آدمی اس کو ظاہراً بھی پیچھے نہ ڈالے اور حقیقت میں بھی پیچھے نہ ڈالے، قرآن مجید میں ان لوگوں کے متعلق یہ بات کہی گئی ہے جو اس کو پس پشت ڈال دیتے ہیں کہ وہ کیسا نامناسب کام کرتے ہیں، قرآن مجید میں ان کے لیے سخت کلمات اختیار کیے گئے ہیں:

{وَإِذَ أَخَذَ اللّهُ مِیثَاقَ الَّذِینَ أُوتُواْ الْکِتَابَ لَتُبَیِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلاَ تَکْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاء ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْاْ بِهِ ثَمَناً قَلِیلاً فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُونَ}(آل عمران: ۱۸۷)

(اور جب اللہ نے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی یہ عہد لیا تھا کہ تم اس کو ضرور لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کردو گے اور اس کو چھپاؤ گے نہیں تو انھوں نے اس کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے عوض تھوڑے دام مول لیے تو کیسا بدترین سودا وہ کررہے ہیں۔)

یہ پس پشت ڈالنا ظاہر میں بھی مناسب نہیں لیکن اصل یہ ہے کہ باطن میں یعنی اس کے کسی حکم کو پس پشت ڈال دیا جائے، اس کا اہتمام نہ کیا جائے اور اس میں اپنی رائے چلائی جائے، یہ انتہائی خطرناک بات ہے۔

ظلم کا انجام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

"سب سے زیادہ ڈرنے والی چیز جو ہے وہ ظلم ہے، دنیا کے سارے مذاہب، سارے کلچر، سارے رفارمرس، سارے صوفی سنت اس بات پر متفق ہیں کہ انسان سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے؛ اور ہر مذہب کا انسان، ہر شہر کا انسان، ہر ملک کا انسان، ہر برادری کا انسان، ہر نسل کا انسان، ہر طبقہ کا انسان، ہر سوسائٹی کا انسان، ہر قابلیت کا انسان، ہر صلاحیت کا انسان، مفید ہو یا غیر مفید، وہ خدا کی صنعت ہے اور خدا کی رحمت کا مظہر ہے، ہم اس کو Masterpiece نہیں کہہ سکتے ورنہ اس سے بڑھ کر Masterpiece اور کیا ہوسکتا ہے؟

تاریخ میں ایسی شہادتیں موجود ہیں کہ بعض اوقات کسی ایک مظلوم مرد کی آہ، اور کسی ایک مصیبت زدہ خاتون کی کراہ سے پورے دور کا خاتمہ ہوگیا ہے، جو بات سب سے زیادہ ملکوں کی خیر خواہی، سچی ہمدردی، حقیقت پسندی، انسانیت کے فرض کی ادائیگی بلکہ اس کے احساس کی ہے، (خواہ اس ملک میں کتنی ترقیاں ہوں اور اس ملک کی تاریخ خواہ کیسی رہی ہو اور اس میں کتنے وسائل وذخائر ہوں) یہ ہے کہ ظلم نہ ہونے پائے، کسی کمزور آدمی کو روندا نہ جائے، کسی گھر کا چراغ بجھایا نہ جائے، کسی بے زبان عورت پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے، اور کسی مظلوم کی بددعا نہ لی جائے!!"

(ملک ومعاشرہ کا سب سے خطرناک مرض۔ ظلم وسفاکی)

تعلیم الحدیث

غیروں کی مشابہت کا فتنہ

مولانا عبدالرشید راجستھانی ندوی

عن أبي واقد الليثي رضي الله عنه قال: خرجنا مع رسول الله ﷺ إلى حنين ونحن حديثو عهد بكفر، و للمشركين سدرة يعكفون عندها و ينوطون بها أسلحتهم، يقال لها: ذات أنواط، فمررنا بالسدرة، فقلنا: يارسول الله! اجعل لنا ذات أنواط كما لهم ذات أنواط، فقال رسول الله ﷺ: الله أكبر! إنها السنن، قلتم والذي نفسي بيده كما قالت بنو إسرائيل: ﴿اجعل لنا إلها كما لهم آلهة﴾، قال: ﴿إنكم قوم تجهلون﴾، لتركبن سنن من كان قبلكم.

(أحمد: ۲۱۸۹۷-والترمذي: ۲۱۸۰)

ترجمہ: حضرت ابو واقد لیثیؓ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حنین کے لیے نکلے جبکہ ہم نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ مشرکین کا ایک درخت تھا جس کے پاس وہ قیام کرتے اور اپنے ہتھیار لٹکاتے، اسے 'ذاتُ أنواط' کہا جاتا تھا۔ ہم جب اس کے قریب پہنچے تو عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے لیے بھی ایسا ہی ذاتُ أنواط مقرر فرما دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! یہ تو وہی طریقے ہیں! قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم نے وہی بات کہی جو بنی اسرائیل نے کہی تھی: "ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دیجیے جیسے ان کے معبود ہیں"۔ ضرور تم بھی پچھلی قوموں کے طریقے اختیار کروگے۔

تشریح: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے توحید کے تحفظ اور شرک کی ہر شکل سے اجتناب کا ایک نہایت مؤثر درس دیا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، اگرچہ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، لیکن ان کی زبان سے نکلی ہوئی ایک بے ساختہ درخواست کو رسول اللہ ﷺ نے معمولی نہیں سمجھا، بلکہ فوری طور پر اس کی اصلاح فرمائی۔

ذاتُ أنواط ایک ایسا درخت تھا جس سے مشرکین وابستگی رکھتے تھے، ان کا اس درخت کے ساتھ ایک عقیدتی تعلق قائم تھا۔ جب نئے ایمان لانے والے صحابہ نے اس جیسی کسی چیز کی خواہش ظاہر کی تو نبی ﷺ نے اسے مشرکین کے عمل کے ساتھ تشبیہ دے کر رد کر دیا، اور بنی اسرائیل کی اسی طرح کی گمراہی کی یاد دلائی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دینِ اسلام میں محض نیت کی صفائی کافی نہیں، بلکہ اعمال کی شکل، ان کی مشابہت اور پس منظر بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ کسی غیر دینی رسم یا علامت کو اختیار کرنا، اگرچہ فاسد عقیدے کے بغیر ہی ہو، تب بھی گمراہی کی طرف کھسکنے کا دروازہ بن سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یہاں "لَتَرْكَبُنَّ سَنَنَ مَن كَانَ قَبْلَكُمْ" فرما کر ایک عظیم تنبیہ فرمائی کہ اگر احتیاط نہ کی گئی تو یہ امت بھی وہی راستہ اختیار کر لے گی جو گمراہ قوموں کا تھا۔ لہٰذا ہمیں اپنے دین پر اعتماد رکھنا چاہیے، اور ایسی تمام چیزوں سے بچنا چاہیے جو شرک، بدعت یا غیروں کی نقالی کا شائبہ رکھتی ہوں۔ یہی ایمان کی سلامتی اور اللہ کی رضا کی راہ ہے۔

امام مالکؒ کے تلامذہ میں سے کسی صاحب علم وبصیرت نے فرمایا: اللہ تم پر رحم فرمائے، تم غور کرو! جہاں بھی کوئی بیری یا ایسا درخت نظر آئے جس کا لوگ قصد کرتے ہوں، اُس کی تعظیم کرتے ہوں، اُس سے شفا اور بیماریوں سے نجات کی امید رکھتے ہوں، وہاں کپڑے باندھتے ہوں یا کیلیں ٹھونکتے ہوں تو وہ درخت 'ذاتُ أنواط' ہے، لہٰذا اُسے کاٹ ڈالو۔" **(إغاثة اللهفان في مصايد الشيطان تصنيف ابن القيم ۱/۲۰۵)**

فوائد حدیث: توحید کا تحفظ صرف عقیدے سے نہیں، عمل اور علامت سے بھی ہوتا ہے: نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کی محض ایک درخواست پر بھی فوراً اصلاح فرمائی، حالانکہ وہ نئے مسلمان تھے اور ان کی نیت میں کوئی شرک نہ تھا۔

مشرکین اور گمراہ اقوام کی مشابہت سے بچنا لازم ہے۔

ایمان کی سلامتی کا راستہ احتیاط، بصیرت اور سنتِ نبوی کی پیروی میں ہے۔

جو چیز دین میں نہ ہو، خواہ بظاہر نیک مقصد کے لیے ہو، اگر وہ کسی گمراہ قوم کی مشابہت رکھتی ہو تو وہ ترک کر دینا ہی تقویٰ ہے۔

اسلام میں ہر وہ طریقہ ناقابلِ قبول ہے جو شرک یا بدعت کی بو رکھتا ہو۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے: **"مَن أَحدَثَ في أَمرِنا هذا ما ليسَ فِيهِ، فَهو رَدٌّ۔" (متفق عليه)**

جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی چیز نئی پیدا کی جو اس سے تعلق نہیں رکھتی ہے تو وہی مسترد کر دی جائے گی۔

فقہی مسائل

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: مسجد کس کو کہتے ہیں؟ کیا مسجد کے لیے عمارت کا ہونا شرط ہے؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ بغیر عمارت کے کھلی جگہ صحن وغیرہ مسجد نہیں کہلائے گی، کیا کھلی جگہ جہاں نماز باجماعت ہوتی ہو، وہ مسجد نہیں کہلائے گی؟

جواب: مسجد ایسی جگہ کو کہتے ہیں، جس کو کسی مسلمان نے خالص اللہ کے لیے فرض نماز ادا کرنے کے لیے وقف کردیا ہو، اس پر عمارت اور چھت وغیرہ ہونا شرط نہیں ہے، علامہ طحطاوی نے صراحت کی ہے کہ کسی جگہ کو مسجد قرار دیے جانے کے لیے عمارت کا ہونا شرط نہیں ہے: **"لا یشترط فی تحقق کونه مسجداً البناء"**۔

[طحطاوی: ص۵۳۶]

سوال: سابق متولی کے پاس مسجد کی کچھ رقمیں ہیں وہ ادا نہیں کر پا رہے ہیں، کیا موجودہ متولی اس کو معاف کر سکتے ہیں؟

جواب: متولی کے ذمہ مسجد کی نگرانی اور مصالح مسجد کا تحفظ ہے، مسجد کی جائیداد یا رقم ضائع کرنا یا معاف کرنا مصالح مسجد کے خلاف ہے، اس لیے متولی کو رقم معاف کرنے کا حق نہیں ہے۔

[ردالمحتار: ج۴/ص۴۰۷]

سوال: ایک گاؤں میں مسجد کے احاطہ میں کنواں ہے، کیا عام لوگوں کو اس سے استفادہ کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جن حضرات نے مسجد اور کنواں بنوائے وہ اب باحیات نہیں، ان کی منشاء بھی معلوم نہیں ہے تو ایسی صورت میں کیا اجازت دی جاسکتی ہے؟

جواب: چونکہ کنواں مسجد کے احاطہ میں ہے، پہلے سے جب اجازت نہیں رہی ہے، اس لیے اس کنواں کو اب وقف عام کرکے عام لوگوں کو استفادہ کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، مسجد کے احاطہ کے اندر ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ وقف عام نہیں؛ بلکہ مسجد کے لیے خاص ہے۔

سوال: بعض لوگ ظہر اور عصر کی نماز کے بعد مسجد ہی میں سوئے رہتے ہیں اور وقت ہونے پر نماز ادا کرتے ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے، اس طرح سونے سے مسجد کی حرمت باقی نہیں رہتی؛ بلکہ مسافر خانہ معلوم ہوتا ہے تو وہ جواب دیتے ہیں، ہم لوگ نماز کے انتظار میں مسجد میں رہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح مسجد میں لیٹنے کی اجازت ہوگی؟

جواب: مسجد میں معتکف اور مسافر کو سونے کی اجازت ہے، مقامی لوگ جماعت کے انتظار میں اعتکاف کی نیت سے سو سکتے ہیں؛ لیکن مسجد میں بستر ڈال کر مسافر خانہ کی طرح سونا درست نہیں ہے، ہر حال میں آدابِ مسجد کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ [فتاویٰ ہندیہ: ج۵/ص۳۲۱]

سوال: ایک کالونی میں کچھ مسلمان رہتے ہیں، وہاں مسجد نہیں ہے، تمام لوگ سرکاری ملازم ہیں، اتوار کو ایک صاحب کے مکان پر سب جمع ہوتے ہیں تاکہ کچھ دین کی باتیں ہوں، اس مکان کے ایک کمرہ میں سب جماعت سے اس دن نماز ادا کرتے ہیں، صاحب مکان نے وقتاً فوقتاً آنے والے اور خود اپنے گھر والوں کے لیے نماز پڑھنے کے لیے اس کمرہ کو خاص کردیا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا اس کمرہ کی حیثیت مسجد کی ہوگئی ہے؟ کیا اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے؟ بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ یہ مسجد ہے، اس لیے مسجد کے احکام نافذ ہوں گے۔

جواب: صاحبِ مکان نے اس کمرہ کو اگر مسجد کی نیت سے نماز کے لیے خاص کیا ہے اور لوگوں کو اسی مقصد سے نماز ادا کرنے کی اجازت دی ہے تو یہ کمرہ مسجد شرعی ہے اور مسجد کے احکام اس پر نافذ ہوں گے؛ لیکن اگر اس کمرہ کو اپنی ملکیت میں باقی رکھتے ہوئے محض نماز ادا کرنے کے لیے خاص کیا ہے تو یہ مسجد شرعی نہیں ہے اور نہ ہی مسجد کے احکام اس پر نافذ ہوں گے۔

[ردالمحتار: ج۴/ص۳۴۱]

سوال: ایک مسجد کے کرائے کے مکانات اور دکانیں ہیں اور ان کی آمدنی آئے دن بڑھتی جارہی ہے، مسجد کے اخراجات سے آمدنی کافی زائد ہے، سوال یہ ہے کہ ایک مسجد کی زائد آمدنی دوسری مسجد میں منتقل کرسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اصل تو یہی ہے کہ ایک وقف کی آمدنی دوسرے وقف میں منتقل کرنا درست نہیں ہے؛ لیکن اگر وقف نامہ میں صراحت ہو کہ اگر مسجد کی آمدنی زائد ہو تو دوسری مسجدوں میں اسے منتقل کرسکتے ہیں تو واقف کی صراحت کی بنا پر زائد آمدنی دوسری مساجد میں منتقل کی جاسکتی ہے، لیکن یاد رہے کہ وقف کی غرض اور مقصد کا لحاظ اور اس کی شرائط کی پابندی ضروری ہے۔

[ردالمحتار: ج۳/ص۵۱۵، کتاب الوقف]

قند مکرر

خلفائے اربعہؓ کی ترتیب خلافت

قدرت وحکمتِ الٰہی کا مظہر

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

خلافت راشدہ کیا ہے؟ خلافت راشدہ نہ اسلامی مملکت کی وسعت کا نام ہے، نہ کثرت فتوحات کا، نہ کامیابیوں کے تسلسل کا، اگر معیار یہی ہوتو پھر ولید بن عبدالملک اور ہارون الرشید کو سب سے بڑا خلیفۂ راشد ماننا پڑے گا، خلافت راشدہ نام ہے نبی کے مزاج اور طرزِ زندگی میں نیابت کاملہ کا، نبوت کا امتیازی مزاج کیا ہے؟ ایمان بالغیب کی قوت، اطاعت الٰہی کا جذبۂ صادق وکامل، غیب پر شہود، احکام پر مصالح وفوائد کو قربان کرنا، دنیا پر آخرت اور غنا پر فقر وزہد کو ترجیح دینا، اسباب دنیا سے کم سے کم متمتع ہونا اور دوسروں کو زیادہ سے زیادہ متمتع کرنے کی کوشش کرنا، یہ وہ اجمال ہے جس کی تفصیل پوری سیرت محمدی ہے اور جس کے مظاہر بدر وخندق کے معرکے، تبوک کا سفر، حدیبیہ کی صلح، مکہ کی فتح اور ۲۳/ برس کی وہ زاہدانہ زندگی ہے جس کا اول شعب ابی طالب کی اسیری اور جس کا آخر زندگی کی وہ آخری شب ہے جس میں گھر میں چراغ بھی نہ تھا اور زرہِ نبوی تیس صاع جَو کے عوض میں ایک یہودی کے یہاں رہن تھی۔

اس معیار سے ان خلفائے راشدین (رضي الله عنهم وأرضاهم) کی زندگی اور دورِ خلافت ’خلافت راشدہ کا مکمل نمونہ تھا جس میں نبی ﷺ کے مزاج اور طرزِ زندگی کی پوری نمائندگی تھی، واقعۂ ارتداد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بے نظیر صلابت واستقامت اور اس فتنہ عالم آشوب میں مٹھی بھر جماعت صحابہ کے ساتھ پورے ملک عرب سے جنگ کرنے کا عزم اور فیصلہ، پھر عین اس نازک وقت میں جب کہ ایک ایک سپاہی جیش کا قائم مقام تھا، اور اسلام کا مرکز ثقل (مدینہ طیبہ) دشمنوں کے نرغہ میں تھا، جیش اسامہ کو شام کی جانب روانہ کردینے اور منشاء نبوی کی تکمیل پر (حالات وتغیرات کا لحاظ کیے بغیر) اصرار، پھر مسلمانوں کی موت وحیات کی اسی فیصلہ کن گھڑی میں دنیا کی دو عظیم ترین شہنشاہتوں (رومۃ الکبری اور فارس اعظم) میں جنگ کا سلسلہ چھیڑ دینا، ایمان واطاعت کا وہ واقعہ ہے جس کی نظیر صرف انبیاء اور ان کے خلفائے اولوالعزم کی تاریخ میں مل سکتی ہے۔

اسی کے ساتھ زمانہ خلافت وفتوحات میں ایسی زاہدانہ زندگی گزارنا جس میں بیت المال کے روزینہ سے منہ کا ذائقہ تبدیل کرنے اور بچوں کا منہ میٹھا کرنے کی بھی گنجائش نہ تھی اور پھر انتقال کے وقت اس پوری رقم کو جو زمانۂ خلافت میں (مسلمانوں کے فیصلے سے) بیت المال سے اپنی گزر اوقات کے لیے لی تھی، ذاتی زمین فروخت کرکے بیت المال کو واپس کردینے اور اس پورے سامان کو جس کا خلافت کے دور میں اضافہ ہوا تھا، بیت المال میں منتقل کردینے کی وصیت‘ زہد وایثار کے ایسے واقعات ہیں جن کی نظیر شاید انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے علاوہ کہیں اور نہ مل سکے اور جو اسی اصل کا ’’ظل‘‘ ہے جس کی خلافت اولیٰ کا شرف ان کو حاصل تھا۔

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کا روم وشام کی جنگوں اور یرموک وقادسیہ کے معرکوں میں افواج کی تعداد واسلحہ کے بجائے اللہ کی فتح ونصرت اور اسلامی افواج کے اعمال واخلاق اور تعلق باللہ پر اعتماد، یرموک معرکہ کے موقع پر (جس سے سخت معرکہ تاریخ اسلام میں کم پیش آیا ہوگا) اسلام کے مظفر ومنصور قائد اور اسلامی افواج کے محبوب ومعتمد سپہ سالار خالد بن الولید کو اسلامی افواج کی قیادت علیا سے معزول کردینا اور ابو عبیدہؓ جیسے نرم خو ونرم مزاج کو قائد مقرر کرنا، عظیم ترین عمال حکومت کا بے لاگ احتساب، جبلہ بن الایہم جیسے سردار قوم اور بادشاہ پر ایک غریب فزاری کے مقابلہ ومعاملہ میں قصاص جاری کرنا، ایسی ایمان واطاعت کی مثالیں ہیں جو نبوت کا مزاج اور خلافت راشدہ کا تمغۂ امتیاز ہے۔

پھر ان کا زہد واحتیاط جس نے عام الرمادہ (قحط عام) میں ان کو ہر ایسی غذا سے باز رکھا جو عام مسلمانوں اور ان کی وسیع مملکت کی عام آبادی کو میسر نہیں تھی، یہاں تک کہ لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر اس قحط نے طول کھینچا تو وہ بچ نہیں سکیں گے، اور ان کی زاہدانہ زندگی اور تقشف جس نے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کرلی ہے، اسی

زاہدانہ زندگی کا پرتو ہے جس کی اصل وظل رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلیفہ اول کی نیابت ان کے حصہ میں آئی تھی۔

اسی طرح وہ ثبات واستقامت اور وہ عزم و یقین جس کا اظہار حضرت عثمانؓ نے بلوائیوں کی شورش اور ترک خلافت کے مقابلہ کے موقع پر کیا، اور بالآخر مظلومانہ شہادت پائی پھر اسباب غنا کی فراوانی وموجودگی میں اپنی ذاتی زندگی میں اس زہدو ایثار کا جوان کے تین نامور پیشروؤں کی میراث تھی، حکومت کے مہمانوں اور عام مسلمانوں کو امیرانہ اور پرتکلف کھانا کھلانا اور خود گھر میں جاکر زیتون کے تیل سے روٹی کھانا وہ صحیح خلافت ہے، جس کی خلعت حضور ﷺ نے ان کو پہنائی اور جس کے اتارنے سے انہوں نے صاف انکار کردیا۔

خلافت نبوت کا یہی مزاج اور زندگی کا یہی انداز اسی سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی ابن عم رسول ﷺ کی زندگی میں پورے طور پر نمایاں و روشن ہے، اس طلائے خالص اور اس جوہر اصلی پر جمل اور صفین کی جنگوں کا جو عارضی غبار پڑ گیا ہے، اس کو اگر آپ ہٹادیں، تو اس گوہر آبدار کی چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کرے اور خلافت نبوت کے وہ تمام خصائص نظر آجائیں جو اس کے تین پیشروؤں اور زندگی کے رفیقوں میں مشترک ہیں، حکم اور اصول پر مصلحت وسیاست کو قربان کرنا، خلافت کے بقاء واستحکام کے لیے ان تمام طریقوں اور تدبیروں کے اختیار کرنے سے انکار کردینا جو اہل حکومت اختیار کرتے ہیں، لیکن خلافت نبوت کے امین کے لیے ان کی گنجائش نہیں، عمال حکومت اور اراکین مملکت میں سے ایسے اصحاب کو ان کے عہدوں سے سبکدوش کردینے میں تامل نہ کرنا جو اس کی نظر میں ورع وتقوی کے اس بلند معیار پر نہیں، جس پر رسول ﷺ اور اس کے خلفاء چھوڑ کر گئے ہیں، اور جو اس نظام خلافت کے شایان شان ہے، اصول وعقیدہ کی خاطر اور خلافت کو ”منہاج نبوت“ پر باقی رکھنے کے لیے ان تمام ناخوشگوار فرائض کو انجام دینا جو اس کے لیے سوہان روح تھے، لیکن عقیدہ اور مومن کے یقین کا تقاضا اور وقت کا مطالبہ تھا، خلافت کی پوری مدت کو ایک مسلسل مجاہدہ، ایک مسلسل کشمکش، ایک مسلسل سفر میں گزارنا لیکن نہ تھکنا، نہ مایوس ہونا، نہ بددل ہونا، نہ شکایت کرنا، نہ راحت کی طلب، نہ محنت کا شکوہ، نہ دوستوں کا گلہ، نہ دشمنوں کی بدگوئی، مدح وذم سے بے پروا، جان سے بے پروا، انجام سے بے پروا، نہ ماضی کا غم، نہ مستقبل کا اندیشہ، فرض کا ایک احساس مسلسل اور سعی کا ایک سلسلہ غیر منقطع، دریا کا سا صبر، سورج اور چاندی کی سی پابندی، ہواؤں اور بادلوں کی سی فرض شناسی، معلوم ہوتا ہے جس طرح ذوالفقار ان کے ہاتھ میں سرگرم وبے زبان ہے، اسی طرح وہ کسی اور ہستی کے دست قدرت میں سرگرم عمل اور شکوہ وشکایت سے نا آشنا ہیں۔

ایمان واطاعت کا وہ مقام ہے جو ”صدّیقین“ کو حاصل ہوتا ہے، لیکن اس کا پہچاننا اور ان نزاکتوں اور مشکلات سے واقف ہونا بڑے صاحب نظر اور صاحب ذوق کا کام ہے، اس لیے ان کی زندگی اور ان کی عظیم شخصیت کا پہچاننا ایک بڑا امتحان بن گیا ہے، اور وہ اہل سنت کا ایک امتیاز ہے، اس ایمان بالغیب اور اس جذبہ اطاعت کا ظہور جس ماحول اور جس ناخوشگوار واقعات کی شکل میں ہوا، وہ اس ماحول اور ان واقعات سے بہت مختلف تھے، جن میں ان کے پیشرو خلفاء کے ایمان بالغیب اور جذبہ اطاعت کا اظہار ہوا تھا، اس لیے بہت سے مؤرخین اور اہل قلم اور مدعیان فکر ونظر بھی اس کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہے، وہ جس کو داخلی فتنے اور مسلمانوں کی خانہ جنگی کہتے ہیں، ہم ان میں حضرت علیؓ کو نہ صرف معذور بلکہ ماجور پاتے ہیں، ہم اگرچہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ فریق مقابل (اہل شام) ایک اجتہادی غلطی کا مرتکب تھا، اس لیے اس کی تضلیل وتفسیق ہرگز درست نہیں، لیکن ہم یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت میں جو کچھ کیا وہ ایمان واطاعت کے جذبہ، اور ادائے فرض کی روح کے ساتھ کیا، اس لیے یہ عمل ان کے لیے تقرب ورفع درجات کا باعث تھا۔

پھر ان کی زاہدانہ زندگی خلافت نبوت کا پرتو کامل اور خلافت صدیقی وخلافت فاروقی کا نور تھی، یہ فقروزہد، تقشّف وقناعت کی ایسی زندگی تھی کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے زہاد اس میں ان کی ہمسری نہیں کرسکتے تھے، اور بالآخر ان کے منتخب عمال حکومت اور ان کے قریب ترین عزیز بلکہ حقیقی بھائی عقیل بن ابی طالب بھی ان کا ساتھ نہ دے سکے۔ درحقیقت آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام میں جو ایمان بالغیب اور ایمان بالآخرۃ پیدا کیا، اس نے ان کے ذہن ودل، سیرت و اخلاق، زندگی اور کردار اور معیشت وسیاست کو ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا تھا، عسر و یسر، کامیابی وناکامی، فقر وفاقہ اور امارت وحکومت میں اسی کا بے تکلف اظہار ہوتا تھا، اس ایمان کے سلسلہ معجزات کی سب سے طاقتور اور سب سے نمایاں وممتاز کڑیاں خلفائے راشدین ہیں، وہ اسی معنی میں خلفائے راشدین ہیں کہ نبوت کا یہ مزاج اور نبی کی یہ میراث ان کی طرف منتقل ہوئی اور انہوں نے اس مزاج ومنہاج میں نبی کی کامل نیابت کی۔ ❁❁

حالات حاضرہ

نیا سال اور ہم

حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

محرم ہر سال آتا ہے مگر سال کا یہ آغاز جن حالات میں ہو رہا ہے اور امت جس کرب وبلا سے گزر رہی ہے اس سے کربلا کا زخم ہرا ہوتا ہے، ظلم وستم کی داستانیں تاریخ کو مجروح کر رہی ہیں، لیکن ادھر دو ڈھائی سالوں میں ظلم وبربریت نے جس طرح کی داستان رقم کی ہے وہ عالم انسانیت کی تاریخ کا ایک انتہائی بدنما داغ ہے جو شاید کبھی دھویا نہ جاسکے۔

ایک دور تھا کہ ایک مظلوم عورت سینکڑوں ہزاروں میل دور سے "وا معتصماہ" کا نعرہ لگاتی ہے اور خلیفہ وقت اس کی مدد کے لیے فوج بھیجتا ہے، آج ظلم کی آگ لگی ہوئی ہے لیکن پچاسوں مسلمان ملکوں میں کوئی معتصم نہیں جو دادرسی کرسکے۔

ایک ملک نے حملہ کیا، اشک شوئی کے لیے یہ بھی بہت کچھ تھا، کاش کہ اس حملے کی بنیاد ان مظلوموں کی دادرسی ہوتی اور صلح کی شرائط میں کچھ ان مظلوموں کو بھی حصہ دے دیا جاتا، ظاہر ہے سیاسی ہیر پھیر سے دین ومذہب کا کیا واسطہ، خاص طور پر جب بنیادیں ہی الگ ہوں، جہاں صحابہ پر سب وشتم کیا جائے، جہاں انبیاء سے بڑھ کر "ائمہ معصومین" کا درجہ بتایا جائے، جہاں دین کی بنیادوں کو مسخ کیا جائے، اس کے بعد توقع ہی کیا ہے؟! یقیناً یہ ایک جرأت کی بات محسوس کی گئی کہ کسی نے جابر وظالم حکومت کو آنکھیں دکھائیں، لیکن ڈھائی سال کی مدت میں یہ جب ہوا کہ وہ خود زد میں آتے نظر آنے لگے۔

جو کچھ ہوا' ہم اس پر بھی داد دیتے ہیں، کہیں سے کسی طور پر ان مظلوموں کی اشک شوئی ہوئی، یہ ہم سب کے لیے خوشی کا سامان ہے، لیکن اگر کوئی "ان" کو اسلامی قائد ورہنما سمجھتا ہے تو وہ اپنے ایمان کا سودا کرتا ہے، جس حکومت کے مؤسس نے اس کی بنیاد ہی شیعیت پر رکھی ہو اور جس کی بنیادی کتابوں میں اسلامی حقائق کی بیخ کنی کی گئی ہو اور جہاں اعمال کی بنیاد ہی نفاق پر ہو، "تقیہ" جس مذہب میں عین عبادت اور تقرب کا ذریعہ سمجھا جاتا ہو، اگر اس سوراخ سے کوئی بار بار ڈسا جائے تو مؤمن کیسے ہوسکتا ہے: "لا یلدغ المؤمن من جحر مرتین"

امتحان کی گھڑی ہے، سب سے بڑھ کر مسئلہ ہمارے ایمان کا ہے، حالات کچھ بھی ہوں، کسی وقت بھی ہم ایمان وعقیدہ سے صرفِ نظر نہیں کر سکتے، ہمیں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا ہے، تاریخ میں عروج وزوال کی داستانیں اور اس کے اسباب سب موجود ہیں، ہمیں تاریخ سے بھی سبق لینا ہے اور سب سے بڑھ کر ہمارے سامنے اسوۂ رسول اللہ ﷺ ہے، آپ ﷺ کو کتنے سخت حالات سے گزرنا پڑا لیکن ایک لمحے کے لیے بھی سمجھوتہ نہیں کیا گیا، اللہ کی طاقت سب سے بڑھ کر ہے، جو کچھ ہوتا ہے اس کی مصلحت سے وہی واقف ہے، خدانخواستہ کسی لمحے بھی اگر مایوسی پیدا ہو، اللہ کی ذات پر اعتماد میں کمی ہو تو سب سے بڑھ کر خطرے کی بات ہے۔

ہر حال میں ہمیں اپنے ایمان کو مضبوط کرنا ہے، عقائدِ اسلام کی بنیادوں کو استوار رکھنا ہے، اعمال واخلاق میں بلندی پیدا کرنی ہے، اللہ نے اسی میں ہماری سربلندی کا راز رکھا ہے۔

سال کے آغاز پر کاش کہ ہم نئی ہمت وحوصلہ اور نئے ایمان ویقین کے ساتھ آگے بڑھنے کا عزم کریں اور اپنی زندگی کو اسی روشنی سے منور کریں جو روشنی نبی آخر الزماں ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہمیں ملی، آج تاریک دنیا کو اسی روشنی کی ضرورت ہے، کاش کہ ہماری زندگی دنیا میں روشنی کا ذریعہ بن جائے۔ ❁❁

تاریخی حقیقت

معروف انگریز مؤرخ سارٹن لکھتا ہے: "اس زمانہ میں (پندرھویں صدی عیسوی) علوم فنون کا تقریباً سارا بنیادی کام مسلمانوں نے انجام دیا ہے، آپ ان ناموں پر غور کریں؛ ابن یونس، ابن الہیثم، الکرخی، البیرونی، ابن سینا، عمار موصلی، علی ابن عیسیٰ، ابن حزم دنیا میں یہی لوگ حقیقی مشعلِ بردار تھے اور سب کے سب مسلمان تھے، اس زمانے کے سب سے بڑے شاعر فردوسی تھے، جو تاریخ عالم کے عظیم ترین شاعروں اور انسانیت کے ممتاز ترجمانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے بعد سب سے ممتاز سائنسداں اور فلسفی ابن جبرئیل اور ابن جنہ یہودی تھے لیکن اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں، یہ لوگ عربی زبان میں ماہر تھے، اور مذہب کے سوا ہر چیز میں مسلم تہذیب کے زیر اثر تھے۔" ❁❁

Introduction of the history of science Vol.1p.701

مشرق وسطیٰ

ہٹلر کی واپسی

ڈاکٹر محمد وثیق ندوی

گذشتہ بائیس مہینوں سے اسرائیل نے غزہ میں ظلم وبربریت کی انتہا کر رکھی ہے، مظلوم اہل غزہ کے گھروں کی مسماری، ناکہ بندی، وحشیانہ قتل وغارتگری، امدادی قافلوں پر نقب زنی، دواؤں اور غذاؤں پر پابندی اور نہ جانے وہ کون کون سے مظالم ہیں جو مظلوم اہل غزہ پر روا نہیں ہیں، یہ مظام ان سبھی مظالم سے کہیں زیادہ سنگین اور کہیں زیادہ خطرناک ہیں جو کبھی ہٹلر نے کیے تھے۔

یہ وہی ''ہولوکاسٹ'' یا نسل کشی ہے جس کی دُہائی یہودیوں کی جانب سے دی جاتی ہے اور جس کی بنیاد پر وہ دنیا کی ہمدردی حاصل کرتے ہیں، اور اسی ہمدردی کی بنیاد پر وہ فلسطین کی سرزمین میں داخل ہوئے تھے، آج بھی اسی ہولوکاسٹ کا حوالہ دے کر وہ مالی تعاون اور اخلاقی ہمدردیاں حاصل کرتے ہیں، انہوں نے دنیا کو مجبور کردیا ہے کہ ان کے خلاف کوئی بات کرنے یا ہولوکاسٹ کا انکار کرنے کو جرم قرار دیا جائے۔

لیکن اب ہٹلر کا دور ختم ہو چکا، اور اس کے واقعات محض کتابوں میں باقی رہ گئے ہیں، جبکہ اسرائیل آج جو مظالم ڈھا رہا ہے اور جارحیت و بربریت اور جنگی جرائم کو جس وسیع پیمانہ پر اختیار کررہا ہے وہ اس دور کا ہولوکاسٹ بن چکا ہے جس کی لرزہ خیز تصویریں سوشل وآزاد میڈیا پر آئے دن وائرل ہو رہی ہیں، اور پوری دنیا اس کی گواہ ہے، لیکن وہ عالمی طاقتیں جو خود کو انصاف پسند، انسانی حقوق کی محافظ، امن کی داعی، اور مظلوموں کی مددگار کہتی ہیں، ان مظالم پر وہ خاموش ہیں، بلکہ وہ اسرائیل کا دفاع کرتی ہیں، وہی اسرائیل جو کل ہٹلر کے ظلم کا شکار تھا، آج خود ہٹلر کے طریقوں کو اپنا چکا ہے، جس نسل کشی کا اس نے خود سامنا کیا تھا آج خود اسے مزید شدت اور منصوبہ بندی کے ساتھ دُہرا رہا ہے۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ماضی میں یہ بڑی بڑی طاقتیں جو ہٹلر کے خلاف متحد ہو کر لڑتی تھیں اور جنھوں نے کبھی نازی جرمنی کو شکست دی تھی آج وہی ہٹلر جدید (اسرائیل) کے مظالم کی پشت پناہ بنی ہوئی ہیں۔ اقوام متحدہ میں جب بھی اسرائیل کے خلاف کوئی قرارداد پیش کی جاتی ہے تو یہی طاقتیں اسے ویٹو کردیا کرتی ہیں اور لاکھوں لوگوں کے احتجاج، انسانی ہمدردی کی اپیلیں، اور عالمی مطالبات' سب کو یکلخت نظرانداز کردیا جاتا ہے۔

اسرائیل نہ صرف اقوام متحدہ کے چارٹر کے خلاف ورزی کررہا ہے بلکہ مرد، خواتین اور شیرخوار بچوں کو بے دریغ قتل کرکے انسانی حقوق کی پامالی بھی کررہا ہے، اس کے بیانات میں واضح طور پر نسل پرستی اور اشتعال انگیزی دیکھی جاسکتی ہے، لیکن مغرب کا دوغلا پن دیکھیے کہ وہ کہ اسرائیل کے ہر اقدام کو ''دفاعی حق'' کے نام پر جائز قرار دیتا ہے اور غزہ کے مظلوم ومعصوم لوگوں کی معمولی مزاحمت کو بھی ''دہشت گردی'' سے تعبیر کرتا ہے۔

مشرق وسطیٰ میں امریکہ کی دوغلی پالیسیاں روز بروز عیاں ہو رہی ہیں، جن میں صہیونی توسیع پسندی کی حمایت کی جارہی ہے اور عرب حقوق و انصاف کو نظرانداز کیا جارہا ہے۔ ایک طرف عراق وایران کے ایٹمی ہتھیاروں پر اعتراض کیا جاتا ہے، جبکہ دسری جانب اسرائیل اور یورپی ممالک کے ایٹمی ہتھیاروں پر کوئی آواز نہیں اٹھتی۔

برطانوی اخبار گارڈین میں صحافی مصطفیٰ بیومی نے لکھا کہ اسرائیلی وزیر اعظم بنیامن نتن یاہو جنگ کو اپنے اندرونی مسائل کا حل سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ جنگ سے اسرائیلی معاشرہ متحد ہوگا اور امریکہ کی تنقید خاموش ہوجائے گی، کیونکہ وہ واشنگٹن کی مدد سے ہی جنگ چھیڑتا ہے۔

اس لیے فوری ضرورت اس کی ہے کہ انصاف پسند طاقتوں کی جانب سے انسانی ضمیر کی آواز بلند ہو، اور سب متحد ہو کر اس دہشت گرد ریاست (اسرائیل) کو روکنے کی کوشش کریں جو غزہ کے باشندوں کو ختم کرنے پر تلا ہوا ہے، اور اپنی درندگی وحیوانیت میں موجودہ وقت کا ہٹلر بنا ہوا ہے۔

صرف یہی آواز اس قتل عام کو روک سکتی ہے، اور یہی آواز انسانی مساوات، انسانی آزادی اور حقیقی انصاف کی روح ہے اور یہی وہ اصول ہے جن پر اقوام متحدہ کی بنیاد رکھی گئی تھی اور جنہیں انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں نے اختیار کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔

یہ متحدہ آواز ایک ایسی مبنی بر انصاف آواز ہونی چاہیے کہ کوئی بھی ظالم خواہ وہ کتنا ہی طاقتور اور مضبوط کیوں نہ ہو' عدالت کے سامنے کھڑے ہونے اور جوابدہی کا پابند ہو، تاکہ انسانی تاریخ میں دوبارہ کوئی نیا ہٹلر نہ پیدا ہو۔

یورپ نے جنگوں کی تباہی دیکھی ہے وہ ان کی ہولناکیوں سے اچھی طرح واقف ہے اس لیے عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ نئے جنگی جنونیوں اور ظالم رہنماؤں کو روکا جائے تاکہ دنیا دوبارہ ان ہولناکیوں کا شکار نہ ہو۔

محاسبہ

سالِ نو اور اپنا جائزہ

مولانا محمد سمعان خلیفہ ندوی

لیجیے، ایک اور برس بیت چکا، زندگی کا ایک اور سال ہم سے رخصت ہو چکا۔ وہ جس حال میں رخصت ہوا، اسی حال میں اعمال کے دفتر میں رقم ہو گیا اور اب ہم ایک نئے سال کی دہلیز پر ہیں۔ ایسے میں ہمیں جائزہ لینا ہے کہ گزرے ہوئے سال میں ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ پایا ہے تو اس پر شکر کے جذبات دل میں اور حمد کے کلمات زبان پر ہوں، کھویا ہے تو اس پر سچے دل سے توبہ، استغفار اور ندامت ہو، اور آنے والے سال کا خیر مقدم حسن نیت، حسنِ عمل اور آخرت کی تیاری کے عزم سے ہو۔ کیوں کہ شب و روز کے لمحات دراصل وہ خزانے ہیں، جو ہم اپنے صحیفۂ اعمال میں جمع کرتے ہیں، کل خدا کے دربار میں وہی کچھ ملنے والا ہے جو ذخیرہ کیا گیا ہے، گزرتے لمحات یا تو ہمارے حق میں ہوتے ہیں یا ہمارے خلاف؟

اب یہ سال بھی رخصت ہوا تو اس کا دفتر لپیٹ دیا گیا اور نیک یا برے اعمال کے ذخیروں کے ساتھ اس نے رختِ سفر باندھ لیا۔ اب جو شخص اپنے لیے حسنِ عمل کی قندیلیں فروزاں کر رہا ہے اور گزرتے لمحوں کے ساتھ اپنی آخرت کو سنوار رہا ہے وہ یقیناً قابلِ رشک اور لائقِ تقلید ہے، اور اس کے برعکس جو اپنے صحیفۂ اعمال کو برائیوں سے آلودہ کر رہا ہے اور حرام کاریوں میں ملوث ہے، اپنے مقصدِ تخلیق سے غافل ہے اور اسے آخرت کی کوئی فکر نہیں تو ایسے شخص کے لیے مہ و سال کی گردش ایک تازیانہ ہے، کیوں کہ اصل کامیابی طویل عمر میں نہیں، بلکہ زندگی کے لمحات کو اللہ کا فرماں بردار بن کر جینے میں ہے۔ حدیث شریف کی زبانی بہترین لوگ وہ ہیں جن کی عمر بھی طویل ہو اور عمل بھی اچھا، اور بدترین لوگ وہ ہیں جن کی عمر طویل ہو مگر عمل برا۔

آخرت میں اپنے اعمال کو دیکھ کر انسان کی تمنا ہوگی کہ کاش میں نے اس دن کے لیے کچھ تیاری کی ہوتی، جیسا کہ ارشاد ہے:

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ (آل عمران: ۳۰)

(جس دن ہر شخص اپنے کیے ہوئے اچھے کاموں کو حاضر پائے گا اور برے کاموں کو بھی، تو وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس دن کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوتا' اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے خبردار کرتا ہے اور اللہ بندوں پر نہایت مہربان ہے۔)

ایک حدیثِ قدسی میں آیا ہے: "اے میرے بندو! یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جنھیں میں شمار کرتا ہوں اور پھر تمھیں ان کا پورا بدلہ دیتا ہوں۔ پس جس نے بھلائی پائی وہ اللہ کا شکر ادا کرے، اور جس نے برائی پائی وہ اپنے آپ کو ملامت کرے۔" (مسلم)

رخصت ہونے والا سال پتہ نہیں ہمارے حق میں سفارشی ہوگا یا ہمارے لیے وبالِ جان! ہمیں نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہمارے لیے کیا فیصلہ فرمایا اور جس نئے سال کا ہم استقبال کر رہے ہیں اس کے بارے میں بھی ہمیں یہ معلوم نہیں کہ اس میں ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے۔

گزرنے والا سال کتنی خوشیوں کی نوید سنا گیا یا کتنے دکھ دے گیا، کتنے بچوں کی پیدائش کی سوغات بخش گیا یا کتنے اپنوں کتنے پیاروں کے بچھڑنے کا غم دے گیا۔ مگر جو گزر گیا سو گزر گیا، خوشیوں کے ساتھ بھی گزرا غموں کے ساتھ بھی گزرا، اپنے اندر عبرتیں، حکمتیں، واقعات، خوشیاں، غم، تکلیفیں اور امیدیں سب کچھ سمیٹ کر گزرا۔ یہی اللہ کا طریقہ ہے، مہ و سال کی آمد و رفت بہت کچھ پیغام دے جاتی ہے۔ سمجھ دار وہی ہے جو ڈھلتی عمر سے سبق لے، گزرتے لمحوں پر غور کرے، بچھڑتے پیاروں کی زندگیوں سے عبرت لے، اپنی اصلاح کرے اور آخرت کے لیے تیاری کرے۔ اور نادان ہے وہ جو اپنی خواہشات کے پیچھے لگ جائے اور محض امیدیں باندھتا رہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۔" (الحشر: ۱۸)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اُس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے۔ بے شک اللہ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔)

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا"

(اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا، اس شخص کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا یا شکر کرنا چاہے)

اللہ نے وقت کی نعمت اس لیے دی ہے کہ

اسے اللہ کی رضا میں صرف کیا جائے اور اس سے نیک کام کیے جائیں، تو جو شخص اسے اللہ کی نافرمانی میں ضائع کرے، وہ یقیناً بڑے نقصان میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سے لوگ خسارے میں رہتے ہیں: صحت اور فرصت۔“ (بخاری)

سالِ نو کا مطلب انسان کی زندگی سے اس کی اجل کا لمحہ بہ لمحہ قریب ہونا ہے، کسی سال کا اختتام درحقیقت انسان کو موت کی آغوش تک پہنچانے کا اعلان ہوتا ہے، انسان نئے سال میں کیا قدم رکھتا ہے کہ وہ موت کی جانب قدم بڑھاتا ہے۔ ہر گزرتا لمحہ، ہر ڈھلتی ساعت ہمیں فنا کی طرف لیے جارہی ہے۔ دنیا ایک فریب ہے، ایک دھوکہ ہے، جب ہر لمحہ انسان موت کے منھ سے قریب ہورہا ہے تو پھر اس دنیا کے دھوکے میں آنا اور اس سے جی لگانا کیا؟

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: دنیا میں ایسے رہو جیسے کوئی اجنبی ہو یا راہ گیر۔“ اور ابن عمرؓ کہا کرتے تھے: ”جب شام ہوجائے تو صبح کی امید نہ رکھو اور جب صبح ہوجائے تو شام کا انتظار نہ کرو۔ اپنی صحت کو بیماری سے پہلے اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جانو۔“ (بخاری)

اس لیے عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم وقت رہتے اس حقیقت کو سمجھ جائیں اور اپنا محاسبہ خود کریں، اس سے پہلے کہ ہمارا محاسبہ کیا جائے۔ اپنے اعمال کو تولیں، اس سے پہلے کہ ان کو تولا جائے۔ کیوں کہ آج کا محاسبہ کل کے محاسبہ کو آسان بنادے گا۔ آج عمل ہے، حساب نہیں، اور کل حساب ہوگا، عمل کا موقع نہیں۔ جو وقت گزر گیا ہے، سچی پکی توبہ، حسنِ عمل اور آخرت کی تیاری کے ذریعے اس کی تلافی کرلیں۔ گناہوں سے بچیں، اس لیے کہ ہمارے جسم آگ کی تاب نہیں رکھتے: فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ (البقرۃ:۱۷۵) (دیکھتے ہیں) کس قدر وہ آگ کو برداشت کرتے ہیں)

نیکیوں کا زادِ راہ ساتھ لیں، کیوں کہ یہی توشہ آخرت کی راہوں میں کام آنے والا ہے۔ اس دنیا کی چمک دمک سے ہرگز فریب نہ کھائیں کہ یہ بہت جلد فنا ہونے والی ہے۔ دنیا کا قیام عارضی، اس کا ساز وسامان عارضی، دن گنے جاچکے ہیں۔ اجل سر پر کھڑی ہے، چھوٹے بڑے سب رخصت ہورہے ہیں، جانے والے جاچکے، قافلے روانہ ہوچکے، اور جو بچے ہیں وہ پابہ رکاب ہیں، دنیا فانی ہے، اجل آنی ہے، موت کا فرشتہ حکم کا منتظر ہے، ہم سب کو بہت جلد اس دنیا کو چھوڑ جانا اور اس سرائے فانی سے کوچ کرجانا ہے۔

وہ وقت دور نہیں ہے جب ہمیں اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا، اپنے اپنے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، تمام کاموں کا حساب لیا جائے گا، ہر شخص اس روز اپنی کوتاہیوں پر نادم وشرمندہ کھڑا ہوگا اور ربّ العزت کے حضور پیش ہوگا۔ اس لیے آج اور ابھی وقت ہے، آیئے اس کو غنیمت سمجھیں اور ابھی توبہ کرلیں اور اللہ کو راضی کرنے کا عزم کرلیں اور اس دعا کو حرزِ جاں بنائیں:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ أَعْمَالِنَا خَوَاتِمَهَا، وَخَيْرَ أَعْمَارِنَا أَوَاخِرَهَا، وَخَيْرَ أَيَّامِنَا يَوْمَ نَلْقَاكَ، يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ!

(بارالٰہا! ہمارے اعمال کا بہترین حصہ ان کا اختتام، ہماری زندگیوں کا بہترین حصہ آخری لمحات اور ہمارے ایام میں سب سے بہتر دن وہ بنادے جس دن ہم تجھ سے ملاقات کرنے تیرے حضور آئیں، اے عزت وجلال کے مالک!) ۞

مرے نبی

نعت پاک علیٰ صاحبہ الصلاۃ والسلام

اوجِ فلک پہ مہرِ درخشاں مرے نبی
کون ومکاں کی شمعِ فروزاں مرے نبی

زیبِ جبینِ گلشنِ یزداں مرے نبی
طُغرائے ناز، فخرِ رسولاں مرے نبی

وہ جن کے دم سے پیکرِ خاکی کا ارتقا
ہیں اعتبارِ عظمتِ انساں مرے نبی

دنیا فریبِ فکرونظر کا شکار ہے
اسرارِ معرفت کا ہیں عرفاں مرے نبی

جس کی عنایتوں سے گلستاں ہو فیض یاب
رحمت کی ہیں وہ فصلِ بہاراں مرے نبی

وصلِ حبیب حاصلِ پیمانِ عشق ہے
کیفِ بہارِ خُلد کا عنواں مرے نبی

میری نظر میں میرے مسیحائے شامِ غم
سلطانِ روح شاہِ دل وجاں مرے نبی

سمعاںؔ کے قلب وروح وجگر، ذہن وفکر وفن
ہیں زیرِ بارِ منت واحساں مرے نبی

(از: خاک پائے مصطفیٰ محمد سمعان خلیفہ ندوی)

فرزند ندوہ

علامہ سید سلیمان ندویؒ - ایک شناخت نامہ

مولانا شاہ اجمل فاروق ندوی

علم و حکمت، روحانیت و ثقاہت، عصری حسیت اور مزاج، لباس اور کھان پان کی خوش ذوقی کو عالی نسبی اور ظاہری وجاہت کی خوش بو کے ساتھ ملا کر جو آمیزہ تیار ہوتا ہے اسے سید سلیمان ندوی کا نام دیا جاتا ہے۔ وہ سلیمانِ عالی شان جو ۱۸۸۴ء کو صوبۂ بہار کے ایک گاؤں سے اٹھا، تین چار دہائیوں تک مملکتِ علم کی سلطانی کی اور ۱۹۵۳ء میں کراچی میں جا سویا۔ دنیا سے گئے تقریباً پون صدی بیت گئی، لیکن دنیائے علم اس رجلِ عظیم سے بے نیاز نہ ہوسکی۔ علم نہایت گہرا اور وسیع۔ طبیعت انتہائی سادہ، بے ضرر اور رقت آمیز۔ کردار ایسا صاف شفاف کہ مخالفین کے نزدیک بھی ثقہ قرار پائے۔ قلم نہایت ادیبانہ و مخلصانہ۔ گفتگو مصلحانہ اور فکر انگیز۔ دوسروں کی دوسرے جانیں، اپنا حال تو یہ ہے کہ سید طائفۃ العلماء، شیخ الاسلام علامہ سید سلیمان ندوی کا ذکر آتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم کسی اتاہ سمندر کے کنارے بیٹھے ہیں، جو ظاہری طور پر تو بالکل پرسکون ہے، لیکن اس کے اندرون میں کوہ قامت موجیں اچھل رہی ہیں۔ ایسا سمندر جو تموج پر آئے تو بڑے بڑے جہازوں کو نگل لے، یوں چھوٹے چھوٹے بچے بھی اس کی موجوں سے کھیلتے پھریں تو اس پر فرق نہ پڑے۔ ایسا سمندر جس کا ارتعاش، گہرائی اور پھیلاؤ دیکھنے والے کو ہیبت زدہ بھی کردے لیکن اس کا حسن وکشش قریب سے اٹھنے بھی نہ دے۔ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ سید سلیمان ندوی کے علم وفضل اور مزاج وشخصیت کو اچھی طرح پڑھنے سمجھنے والے ہر شخص کا یہی احساس ہوگا۔

علامہ سید سلیمان ندوی ۲۲؍نومبر ۱۸۸۴ء کو پٹنہ کے اطراف میں واقع ایک قدیم گاؤں دسنہ میں پیدا ہوئے۔ مختلف جگہوں پر ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۰۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا۔ کہنا چاہیے کہ بارگاہِ الٰہی میں ندوۃ العلماء کے نام سے شروع ہونے والی تحریک مقبول قرار پائی تھی، اسی لیے اس نے تحریک کے تحت قائم کیے گئے دارالعلوم کے پہلے ثمر کے طور پر سید سلیمان ندوی جیسے انمول ہیرے کو پیدا فرمایا۔ نوجوان سید سلیمان جب پہلے ندوی کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آئے اور اہلِ علم کے بڑے مجمع میں عربی زبان میں فی البدیہہ تقریر کی تو مشاہیر امت کو عہد زوال میں بھی عظمت اسلام کا احساس ہوا۔ نوجوان سید سلیمان کو اپنی اس بڑی کارکردگی پر جو سب سے قیمتی ظاہری عطیہ ملا وہ ان کے استاد ومربی شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی کا مبارک عمامہ تھا۔ اس کے بعد سید سلیمان ندوی نے دو میدان سنبھالے۔ ایک علمی وتحقیقی اور دوسرا دینی وملی۔ البتہ ان پر اور ان کی خدمات پر علم وتحقیق کا رنگ غالب رہا۔ ہمارا احساس ہے کہ علامہ سید سلیمان ندوی کی زندگی کے دینی وملی میدان کا گہرا مطالعہ نہیں کیا گیا۔ ہندستان کے موجودہ حالات میں ان کی تحریریں اور خطبے بڑی رہنمائی کرسکتے ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے ۱۹۰۳ء میں پہلا مضمون لکھا تھا، جس کا موضوع 'علم اور اسلام' تھا۔ اس کے بعد ان کے قلم سے ایسے ایسے گہرے نقوش قائم ہوئے، جن کی تاثیر ایک صدی گزرنے کے باوجود بھی کم نہیں ہوئی ہے۔ انھوں نے اپنے استادِ عالی مقام کے عظیم الشان منصوبۂ سیرت کو انجام تک پہنچایا۔ سیرت النبیؐ کی تیسری جلد سے لے کر چھٹی جلد تک کی تصنیف کا کام مکمل سید صاحب کا ہے، لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے سیرتِ رسول کے سائے میں مکمل اسلام کی توضیح، تشریح اور عصری تعبیر کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس کے علاوہ 'رحمتِ عالم' اور 'خطباتِ مدراس' کے ذریعے نوعمروں اور جوان نسل کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ساتھ ہی مطالعاتِ قرآنی کے میدان میں موجود ایک بڑے خلا کو پُر کرتے ہوئے 'تاریخ ارض القرآن (دو جلدیں)' تصنیف فرمائی۔ یہ صرف قرآنی مقامات کے تعارف پر مبنی تصنیف نہیں بلکہ قرآن کے خلاف بعض مستشرقین کے کھولے ہوئے بڑے بڑے محاذ پر ضرب شدید بھی تھی۔ قرآن اور صاحب قرآن علیہ السلام کی خدمات کے ساتھ علامہ سید سلیمان ندوی نے 'سیرتِ عائشہ'، 'حیات امام مالک' اور 'حیات شبلی' علمی دنیا کی نذر کیں۔ ان تینوں کتابوں نے صرف تین شخصیات کے حالات جمع نہیں کیے، بلکہ عہد نبوی، عہد تابعین اور عہد جدید کی شخصیات پر بحث وتحقیق اور سوانح نگاری کے اصول وضوابط بھی سکھائے۔ ہندستانیات کے باب میں علامہ سید سلیمان ندوی 'عرب وہند کے تعلقات' اور 'ہندوؤں کی علمی وتعلیمی ترقی' جیسی کتابوں کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان دونوں کتابوں کے علاوہ 'شذراتِ سلیمانی'، 'مقالاتِ سلیمانی' اور 'نقوش سلیمانی' میں

جدید ہندستان کے اہم واقعات اور ان پر ایسے بھرپور تجزیے موجود ہیں کہ وہ تجزیے بآسانی ایک الگ تصنیف کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ ان کی معروف کتاب 'یادِ رفتگاں' انیسویں اور بیسویں صدی کی اہم شخصیات پر مشتمل ایک جامع تعارفی اشاریے کے طور پر ہمارے سامنے آتی ہے۔ ان تصانیف کے علاوہ 'عمر خیام'، 'عربوں کی جہاز رانی'، 'اہل السنۃ والجماعۃ'، سفرنامہ افغانستان' اور 'برید فرنگ' اپنے موضوع پر اتنے مکمل اور بھرپور علمی نقوش ہیں کہ آج تک سالکانِ راہِ علم کے لیے رہنمائی کا کام کر رہے ہیں۔ غرض یہ کہ علامہ سید سلیمان ندوی کے قلم سے کوئی مختصر مقالہ بھی نکل گیا تو اہلِ ذوق اصحاب علم نے اس کی بنیاد پر بڑی عمارت کھڑی کر دی۔

ان جلیل القدر علمی وتحقیقی خدمات کے ساتھ علامہ سید سلیمان ندوی نے ملّی وملکی سرگرمیوں سے بھی گہرا تعلق رکھا۔ تحریک ندوۃ العلماء کے سرگرم داعی ومبلغ اور معتمد تعلیم اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاد رہے۔ اپنے استاد ومربی کے خواب کو تعبیر کرتے ہوئے دارالمصنّفین کی تاسیس میں سب سے کلیدی کردار ادا کیا اور اپنی شخصیت اور وقیع خدمات کے ذریعے اسے تصنیف وتحقیق کا تاج محل بنایا۔ دکن کالج، پونا میں فارسی کے استاد رہے۔ الندوہ لکھنؤ اور الہلال کلکتہ کے شریک ادارت رہے۔ ماہ نامہ معارف جاری کیا اور اسے بامِ عروج تک پہنچایا۔ جمعیت علمائے ہند اور تحریک خلافت کے موقر اور سرگرم رکن رہے۔ ریاستِ بھوپال کے قاضی القضاۃ کے منصب عالی پر فائز رہے۔ آخری عمر میں پاکستان کی دستور سازی میں حصہ لیا اور تعلیمات اسلامی بورڈ، پاکستان کے سربراہ رہے۔ آخر کار ۲۳ نومبر ۱۹۵۳ء کو ۶۹ سال کی عمر میں دنیا کو الوداع کہا۔ آخری آرام گاہ بننے کا شرف کراچی کو حاصل ہوا۔

علامہ سید سلیمان ندوی کی زندگی کا یہ پہلو بڑا مثالی ہے کہ وہ سلطنت علم کے تاجدار ہونے کے باوجود خود پسندی یا اکڑفوں سے پاک تھے۔ اسی لیے جب انھوں نے دنیائے طریقت میں عملی قدم رکھا تو بے دھڑک اپنے ایک معاصر بزرگ کے سامنے سر جھکا کر دوزانو بیٹھ گئے۔ اپنی روحانی رہنمائی کے لیے انھوں نے منتخب کیا بھی تو ایسے ہی بزرگ کو جو طریقت کے نام پر پھیلی خرافات کو ختم کرنے اور خالص قرآن وسنت کی روشنی میں تزکیے کا عمل انجام دینے کا سب سے بڑا داعی ومبلغ تھا، یعنی مجدد تصوف، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی فاروقی۔ اس میدان میں سید صاحب کی عظمت کا اندازہ لگانا ہو تو 'سلوکِ سلیمانی' کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

آج اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ علامہ سید سلیمان ندوی کے لکھے ایک ایک حرف کو پڑھا جائے، اُن کی من موہنی شخصیت کو دل میں اور اُن کے روشن افکار کو ذہن میں بٹھایا جائے اور اُن کے منہجِ علم وتحقیق اور طرزِ حیات کو اختیار کیا جائے۔ ۞

کتب خانہ علامہ شبلی نعمانیؒ

کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی حقیقت میں ایک مثالی دانش کدہ اور ادبی و دینی و تاریخی کتب کا ممتاز ادارہ ہے، جو علمی اقدار کے تحفظ کا علم بردار ہے۔ کتب خانے میں متنوع فنون کی گرانقدر کتب کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے، متعدد عالمی زبانوں کے علاوہ ملک کی مختلف علاقائی زبانوں میں بھی کتابوں کی ایک معتدبہ تعداد مکتبہ کی زینت ہے۔

Scan for Website
www.library.nadwa.in

Allama Shibli Nomani Library
Nadwatul Ulama campus,
Tagore Marg, Lucknow-226007,
Uttar pradesh, India.

Visit Our Website
www.library.nadwa.in
Email
library@nadwa.in

انسانی حقوق

غزہ - حقوقِ انسانی کی پامالی

مولانا انیس احمد ندوی

غزہ خون آشام ہے، اس کے ایک ایک اَنگ سے خون رس رہا ہے، پورا بدن چھلنی ہو چکا ہے، پوری دنیا میں امن وحقوق کی تنظیمیں یا تو خاموش ہیں یا ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہو رہی ہے۔ پوری دینا میں حقوق اور آزادی کے لئے، آزادی رای، اظہار خیال اور اختلاف رای کے لئے سیکڑوں احتجاج کئے جا رہے ہیں، عوام جابرانہ و ظالمانہ قوانین کے خلاف سڑکوں پر اترتی ہے مگر اسے ماننا اور تسلیم کرنا تو دور کی بات ، ایسے احتجاجات کو نہایت ظالمانہ طریقہ پر دبا دیا جاتا ہے، فلسطین غزہ پر ڈھائے جانے والے مظالم اور نسل کشی کے خلاف پوری دنیا میں ہزاروں احتجاج ہوئے ان احتجاج کو کریک ڈاون کر دیا گیا اور میڈیا کے ذریعہ بھی انھیں ہائی لائٹ نہیں کیا گیا، یہودیوں نے اور یہود نواز مغربی پریس نے انھیں کوریج نہیں دیا ، ظاہر ہے یہ عمل اپنی ظالمانہ کاروائیوں کو درست ٹھہرانے کے لئے کیا گیا، اکتوبر ۲۰۲۳ء میں غزہ پر اسرائیلی حملہ کے بعد سے اس کے خلاف پوری دنیا میں ۴۲۰۰ سے زائد احتجاج ہوئے جس میں لوگوں نے اسرائیلی جارحانہ کاروائیوں کی شدید مذمت کی اور فلسطین کے استحکام ، مضبوطی اور اپنی جگہ پر مضبوطی اور استقلال کے ساتھ بنے رہنے کی بات اٹھائی، ظاہر ہے اسرائیل کی بربریت کو کیسے پوری دنیا اور اس کے انصاف پسند لوگ جائز قرار دے سکتے ہیں، اسرائیل کی حیثیت ایک کرایہ دار کی ہے جبکہ غزہ کے لوگ وہاں کے قدیم باشندے اور اہل خانہ ہیں، اسرائیل کو ایک اگریمنٹ کے تحت ۱۹۴۸ء میں فلسطین یروشلم میں آباد کیا گیا، اب وہ اہل خانہ کو بے دخل کر کے خود پورے فلسطین پر اپنا قبضہ جمانا چاہتا ہے جو سراسر غلط، بے بنیاد اور ظالمانہ ہے، اس طرح کے احتجاجات پوری دنیا میں اور دنیا کے سارے براعظموں میں بشمول دنیا کے اہم شہر جیسے لندن، واشنگٹن ڈی سی، ڈھاکہ، استنبول اور میلبورن میں ہوئے، مثال کے طور پر ۱۳ جنوری ۲۰۲۴ء کو تقریبا پانچ لاکھ لوگوں نے لندن میں احتجاجی مارچ نکالا، نیز اسی طرح کا مارچ واشنگٹن ڈی سی میں ہوا جس میں تقریبا چار لاکھ لوگوں نے شرکت کی ، یہ احتجاج عوامی مارچ سے لے کر، دھرنے اور طلبا کی قیادت میں کئے جانے والے احتجاج پر مشتمل تھے۔ ابھی مئی ۲۰۲۵ء میں میکروسافٹ کے سی ای او (چیف اگزکیوٹیو آفیسر) کے نوٹ پر جو کہ اسرائیل کی حمایت میں تھا کے خلاف فلسطین کی حمایت میں بہت سارے لوگوں نے احتجاج درج کرایا ، اپریل ۲۰۲۵ء میں ڈھاکہ میں تقریبا ایک لاکھ لوگوں نے غزہ کے لئے مارچ میں شرکت کی جو بنگلا دیش کی تاریخ کا سب سے بڑا فلسطین موافق احتجاج تھا۔

یہ اعداد وشمار تو ان احتجاجات کی محض ایک جھلک ہے جو ابتک فلسطین کے تعلق سے ریکارڈ کیے گئے ، حقیقی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوگی کیونکہ سارے احتجاجات درج نہیں کئے جا سکے ہیں۔

امن کی گفتگو یا حقوق انسانی پر بات کرنا ایک فضول سی بات ہے ایسے وقت میں جبکہ دنیا کے کئی حصوں میں جنگ چل رہی ہو اور کسی خاص مسئلہ پر نہیں بلکہ صرف اپنی بالادستی کے قیام کے لئے، اور برتری کے ثبوت کی خاطر خون بہانا ہی کیا ضروری ہے، ایسے موقعوں پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یو این کی معنویت ، اسکی اہمیت اور افادیت بالکل ختم ہوگئی ہے، اس کے پاور کو تقریبا زیرو کر دیا گیا اور یہ صرف دہرا معیار قائم کرنے سے ہوا ہے، اب جو ملک چاہے دوسرے پر چڑھائی کر دے، اس پر جنگ مسلط کر دے، وہاں کے عام شہریوں کی زندگی تہس نہس کر دے، جان و مال کا بے دریغ نقصان کرے، دنیا میں کوئی دوسرا گروپ یا تنظیم نہیں جو ایسا کرنے سے اسے روک سکے۔

اس سلسلہ میں ایک نگاہ ڈالنی چاہئے کہ جتنی بھی قومی یا بین الاقوامی سطح پر سرکاری یا غیر سرکاری تنظیمیں ایک دوسرے کے تعاون ، امن و شانتی کے قیام نیز ظلم و زیادتی کو روکنے کے لئے بنائی گئی تھیں اور جو تا حال کسی حد تک کام بھی کر رہی تھیں مثلا یو این اور اسکی دیگر ذیلی تنظیمیں، یوروپین یونین، افریقن یونین، تنظیم امریکن اسٹیٹس ، آسیان (ASEAN) ، ناٹو، عرب لیگ، کامن ویلتھ آف نیشنز، انٹرنیشنل کریمینل کورٹ، ایمنسٹی انٹرنیشنل، حقوق انسانی کی مراقب تنظیم، اور OSCE، ریڈ کراس انٹرنیشنل، Doctors without Borders اور اس طرح کی دیگر بہت ساری تنظیمیں ہیں جو آپسی تعاون، امن وامان کے قیام کی خاطر ، اور دشمنی ، نفرت اور آپسی ظلم و زیادتی کو روکنے کے لئے قائم کی گئی ہیں، کیا انھوں نے حالیہ غزہ اسرائیل تنازعہ میں اپنا رول پوری طاقت سے ادا کرنے کی کوشش کی؟ حقیقت یہ ہے

کہ اس وقت کوئی تنظیم اپنا کسی طرح کا رول کسی مسئلہ میں ادا نہیں کر پارہی ہے، جمہوریت کے اصولوں میں کمی آنے کی وجہ سے پوری دنیا جنگل راج میں تبدیل ہوتی جارہی ہے، دنیا کے طاقتور ممالک نے اسرائیل کو اپنا ایجنٹ بنا کر چھوڑ دیا ہے کہ پورے مشرق وسطی بلکہ مغربی ایشیا میں جس پر چاہے حملہ کرے جس کو چاہے مارے جس ملک کا چاہے جتنا نقصان کرے، اسے کوئی روک نہیں سکتا، ابھی جی ۷ (G 7) کی بیٹھک ہوئی جس میں سارے ممالک نے بجائے اسرائیل کی مذمت کے اسکی پرزور حمایت کی، یہ اندھا راج قائم ہورہا ہے یہ سب جمہوریت کے اصولوں میں گراوٹ کا نتیجہ ہے اور یہ مظہر پوری دنیا میں عام ہورہا ہے، ۲۰۲۳ کے ڈیٹا کے مطابق مختلف ملکوں میں سو سے زائد جھگڑے ہیں جس میں لوگ حقوق کے لئے یا آزادی پر قدغن کے خلاف اپنے ملک کے اقتدار اعلی کے ساتھ الجھے ہوئے ہیں اور انکی شنوائی نہیں ہوتی، من مانی فیصلے صادر کئے جاتے ہیں اور کوئی ان کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتا وغیرہ۔

دیکھئے ڈاکٹرس ود آؤٹ بارڈرس نے فلسطین میں ہونے والی جانی نقصانات کے بارے میں گہار لگائی، کچھ نہیں سنا گیا، UNAID اور UNRWA نے داد وفریاد کی کچھ سنی نہیں گئی، بلکہ امریکہ نے فروری ہی میں دی جانے والی مدد (فنڈ) کو بند کرنے کا فیصلہ صادر کیا اور حقوق انسانی سے اسے علیحدہ کرنے کا فیصلہ کیا، انٹرنیشنل کریمینل کورٹ میں مقدمہ اسرائیل کے خلاف قائم کیا گیا، نتن یاہو اور گیلینٹ کے خلاف ارسٹ وارنٹ جاری کیا گیا، کچھ نہیں ہوا، پوری دنیا میں اسرائیل کی اس شدید جارحیت کے خلاف احتجاج ہوا، کسی کی نہیں سنی گئی، یو این کے سکریٹری جنرل نے بھی اس جارحیت پر آواز بلند کی وہ معتوب بھی ہوئے اور انکی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی، اور اسرائیل اپنے موقف سے ہلا بھی نہیں، ایسا لگتا ہے اسرائیل دنیا کا سب سے بڑا غنڈہ بن گیا ہے یا بنا دیا گیا ہے اور امریکہ کی طرف سے دنیا کے کسی بھی ملک پر حملہ کا پروانہ لیکر آگیا ہے، یہ سب کچھ کیوں ہورہا ہے، یہ جمہوری اقدار میں کمی کا نتیجہ ہے جو امن عالم کے لئے سنگین خطرہ بنتا جارہا ہے۔

آخر غزہ میں کیا ہورہا ہے؟ کیا غزہ کے لوگ انسان نہیں ہیں؟ کیا انکے زخموں سے خون نہیں پانی رستا ہے؟ کیا زخم، چوٹ اور مار سے انھیں درد نہیں ہوتا ہے؟ کیا انھیں بھوک اور پیاس نہیں لگتی ہے؟ کیا ان کے جسم کے اندر کا سسٹم کسی دوسری دنیا کے مخلوق کی طرح ہے؟ اگر ان کا پورا سسٹم ہم اور آپ جیسا ہی ہے تو دنیا کیوں ان کی اس شدید تکلیف اور درد سے کراہ نہیں رہی ہے؟ کیوں طاقتور ممالک ان کی مدد کے لئے سامنے آرہے ہیں؟ کیوں یو این کے مستقل ممبران حرکت میں نہیں آرہے ہیں؟ کیا اس لئے کہ مرنے والے، مصیبت جھیلنے والے، قربانی دینے والے، بھوک اور پیاس کی شدت برداشت کرنے والے مسلمان ہیں؟ کیا غزہ کے لوگوں کو یعنی وہاں کے اصلی باشندوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی زمین پر آزادی کی سانس لیں، ساری دنیا کے ممالک کو اپنی حکومت کے قیام کا حق ہے لیکن فلسطین کے لوگوں کو نہیں، ان کو آزادی کے ساتھ اپنی عبادات انجام دینے کا حق نہیں؟ کیا یہ دوہرا معیار نہیں؟ کیا دوہرا معیار درست اور جائز ہوگیا؟

دوسری جنگ عظیم کی ہولناکیوں سے زیادہ دردناک تباہی غزہ میں ہورہی ہے اور مزید سلسلہ جاری ہے، کسی صاحب کو برا نہیں لگنا چاہیے ہیروشیما اور ناگاساکی پر اگست ۱۹۴۵ء میں بمباری کی گئی، جان و مال کا جتنا نقصان ہوا تھا وہ غزہ میں ہونے والی تباہی اور جان و مال کے نقصان سے زیادہ نہیں تھا اور وہاں جو کچھ ہوا وہ یکبارگی ہوا، یکلخت ہوا اور اس کے بعد انھیں باز آبادکاری کا موقع مل گیا، یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے یہاں پوری قوم کو قسطوں میں مارا جارہا ہے، بھوک کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے، پورے غزہ کو قبرستان بنا دیا گیا ہے، اسپتالوں، شیلٹر ہاوس، پناہ گزین کیمپ، ریلیف تقسیم مراکز پر بم گرائے جارہے ہیں، کیوں؟ صرف اس لئے کہ یہ جیالی قوم اس ہولناک تباہی کے درمیان اَحد اَحد کا نعرہ مستانہ لگارہی ہے، صرف اس لئے کہ ان کی ہمت زندہ ہے، ان کے اندر ان کا دین اور ایمان زندہ ہے، اور دنیا زندہ اور باغیرت مسلمان دیکھنا پسند نہیں کرتی، یوروپ زندہ مسلمان سے بہت گھبراتا ہے، اسے صلیبی جنگوں کا خوف ستانے لگتا ہے، وہ ڈرتا ہے کہ اگر مسلمان خواب غفلت سے اٹھا تو ایک بار پھر انصاف کی، امن و آشتی کی ہوائیں چلیں گی اور دنیا کے نام نہاد مخلصین (خواہ وہ ممالک ہوں یا افراد) کے جھوٹ کا کاروبار، اور مکاریوں کا دربار بند ہوجائے گا، پورے یورپ کی خاموشی، ایشیا، نارتھ امریکا، آسٹریلیا کے ممالک کی (سوائے ان اکا دکا احتجاجات کے جو فلسطین کی موافقت میں ہوئے) خاموشی واضح طور پر دنیا کی اس چاہت کا اعلان کرتی ہے کہ زندہ مسلمان کہیں نہ رہیں اگر کہیں دنیا کے کسی خطہ میں مسلمانوں میں اسلامیت کی بوباس ہے ان کے اندر کا اسلام زندہ ہے تو انھیں دنیا سے ختم ہوجانا چاہیے، حالانکہ یہ دنیا انھیں مادہ پرست قوموں اور ملکوں کی آپسی کشاکش اور اپنی اپنی بالا دستی و برتری قائم رکھنے کے فراق میں جہنم کدہ بن چکی ہے، اگر اس کو کوئی انصاف دلا سکتا ہے، ان کے آپسی جھگڑوں کو ختم کرسکتا ہے اور انھیں خودغرضی کے جنگل و دلدل سے نکال سکتا ہے وہ صرف اور صرف اسلام ہے۔

فکر اسلامی

دشمنوں کی سازشوں کو ناکام کرنے کا قرآنی نسخہ

مولانا منور سلطان ندوی

قرآن کریم کتاب ہدایت اور دستور حیات ہے، یہ کتاب قیامت تک انسانوں کی رہبری کے لئے نازل ہوئی ہے، موجودہ وقت میں مسلمان جن مسائل ومشکلات سے دوچار ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں مسلمان چین سے ہو، گذشتہ کئی دہائیوں سے عالم اسلام جس نازک دور سے گزر رہا ہے، تاریخ میں اس کی مثال کم ملے گی۔ عراق، شام، اردن اور مصر میں کشت وخون کا بازار جس طرح گرم ہوا، اس نے چنگیز وہلاکو خان کو بھی شرمندہ کردیا ہوگا۔ شام کی سرزمین آج بھی مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بنی ہوئی ہے۔ خود ہمارے وطن ہندوستان میں مسلمانوں کے مسائل بڑھتے جارہے ہیں، پوری امت مسلمہ اس وقت نازک ترین دور سے گزر رہی ہے، نکبت وادبار کی گھٹائیں چھٹنے کا نام نہیں لے رہی ہیں، اور زوال وپستی کے خاتمہ کے آثار کہیں سے نظر نہیں آرہے ہیں، اس صورت حال سے ہر باشعور مسلمان حیران وپریشان ہے، اعلی ذہانتیں مسائل کی گتھی سلجھانے میں مصروف ہیں، مگر حل کا سرا ہاتھ نہیں آرہا ہے، تدبیریں کی جاری ہیں، منصوبے بنائے جارہے ہیں، مگر کوئی دوا کارگر نہیں ہورہی ہے، ہر دماغ میں یہی سوال ہے کہ اس زوال کا خاتمہ کب ہوگا، اور امت مسلمہ کی نئی صبح ہوگی۔

موجودہ ملکی وعالمی مسائل کو سامنے رکھ کر قرآن کریم میں غور کریں اور اس ربانی وسرمدی ہدات نامہ میں نسخہ کیمیا تلاش کریں تو بہت اہم حقائق سامنے آتے ہیں، متعدد آیات میں مسلمانوں کو ہدایات دی گئی ہیں، اور مشکل حالات کے لئے ایسی تدبیریں بتائی گئی ہیں، کہ ان کی روشنی میں دور حاضر کے مسائل کا حل بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے، سورہ آل عمران (۱۱۸ تا ۱۲۰) میں موجودہ منظر نامہ کی تصویر کشی اور پھر اس نازک حالت میں مسلمانوں کی رہبری اس طرح کی گئی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ، هَا أَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ، إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ۔

(اے ایمان والو! اپنے لوگوں کے سوا کسی اور کو رازدار نہ بناؤ، کہ وہ تم لوگوں کے ساتھ ساتھ فساد کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھار کھتے، ان کی خواہش کی ہے کہ تم کو نقصان پہنچے، دشمنی ان کی زبان سے نکلی پڑتی ہے، اور ان کے دل میں جو باتیں چھپی ہوئی ہیں، وہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں، اگر تمہیں عقل ہے تو ہم نے تمہارے لئے احکام کھول کر بیان کردیئے ہیں، تم وہ لوگ ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو، حالانکہ وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، اور تم تو تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، اور وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، اور جب الگ ہوتے ہیں تو مارے غصہ کے انگلیاں کاٹ کھاتے ہیں، آپ فرمادیجئے تم لوگ آپ اپنے غصہ میں مرجاؤ، بیشک اللہ تعالی دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے، اگر تم لوگوں کو کوئی بھلائی حاصل ہو تو ان کو ناگوار گزرتی ہے، اور اگر تم کسی تکلیف دہ بات سے دوچار ہو تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں، اگر تم لوگ صبر وتقوی سے کام لیتے رہو تو ان کی سازش تم کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گی، کیونکہ ان کے سارے کرتوت کو اللہ اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں)

ان تین آیات میں دشمنان اسلام کی جو صفات بتائی گئی ہیں موجودہ وقت میں وہ سب پائی جاتی ہیں، یہ آیات مسلمانوں کے موجودہ حالات کی بہترین عکاسی کررہی ہیں، پوری دنیا میں جو قومیں اور جماعتیں مسلمانوں کی مخالف ہیں ان کی یہی کیفیت ہے۔

مذکورہ آیات میں سب سے پہلے غیر مسلموں کو رازدار بنانے اور ان سے خفیہ دوستی سے منع کیا گیا ہے، غیر مسلموں سے بہتر تعلقات شریعت میں محمود اور مطلوب ہیں، ان کے ساتھ دھوکہ، مکروفریب کی اجازت نہیں ہے، اور نہ ہی ان سے نفرت کرنے کی گنجائش ہے، اسلام دشمنوں کے ساتھ بھی رواداری اور محبت کا قائل ہے، لیکن اسی کے

ساتھ مسلمانوں کو ان کی چالوں سے ہوشیار کیا گیا ہے، آج اس حکم کی خلاف ورزی جس طرح ہو رہی ہے، وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، اکثر مسلم ممالک میں انتہائی حساس شعبے اور سکیوریٹی وانٹلی جینس وغیرہ کے شعبے غیر مسلم ماہرین کے حوالے ہیں، وہی ان شعبوں کے ذمہ دار ہیں، وہی حکومت کے مشیر ہیں، اور انہی کے ذریعہ حکومتوں کے منصوبے اور حکمت عملیاں طے ہوتی ہیں، اس طرح جب ایسے مرشدوں کے ہاتھوں ملک کا باگ وڈور ہوگا تو مسلمانوں کے اجتماعی مفادات کے تحفظ کی فکر کہاں ہو سکتی ہے۔

اس لئے اللہ تعالی نے مسلمانوں کو صاف طور پر غیر مسلمانوں سے ہوشیار رہنے کی ہدایت فرمائی ہے، اور ان کی اندرونی کیفیت کا ظاہر فرما دیا کہ یہ کبھی بھی مسلمانوں کے ہمدرد اور بہی خواہ نہیں ہو سکتے ہیں، اس لئے ان پر انحصار اور مکمل اعتماد کی پالیسی درست نہیں ہے۔

اس کے بعد دوسرا حکم صبر اور تقوی اختیار کرنے کا ہے، 'ان تصبروا و تتقوا' (اگر تم صبر کرو اور تقوی اختیار کرو)، ان دونوں صفات کو اپنانے کا نتیجہ 'لایضر کم کیدھم شیئا' بتایا گیا کہ اس کی وجہ سے مسلمان دشمنوں کی سازشوں سے محفوظ ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے مسائل ومشکلات کے بنیادی اسباب میں غیروں کا سازشیں اور ان کی ریشہ دوانیاں شامل ہیں، عالمی سطح پر انقلابات اور ہنگاموں کے پیچھے بعض طاقتوں کے سیاسی تسلط اور سپر پاور بنے رہنے کا منصوبہ ہی تو ہے، آج دنیا کی کوئی بھی قوم مسلمانوں کی بحیثیت مجموعی ترقی دیکھنا نہیں چاہتی، کسی کو مسلمانوں کا آگے بڑھنا، اور مضبوط ہونا گوارہ نہیں ہے، اس لئے ساری قومیں مسلمانوں کو پست کرنے پر متفق ہیں، آیت مذکورہ میں غیروں کی تمام تر سازشوں سے محفوظ رہنے کی ضمانت دو چیزوں کو اختیار کرنے پر دی گئی ہے، اول صبر اور دوسرے تقوی۔

اس سورہ میں صبر اور تقوی کو ایک ساتھ متعدد بار بیان کیا گیا ہے، آگے غزوہ بدر کا ذکر ہے، اس موقع پر امداد غیبی کا وعدہ انہی دو شرطوں کی بنیاد پر کیا گیا، ارشاد ہے:

بَلَىٰٓ ۚ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ (۱۲۵)

(بلکہ اگر تم صبر سے کام لو، تقوی اختیار کرو اور وہ لوگ تم پر یکبارگی حملہ آور ہو جائیں تو تمہارے پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کریں گے، جن پر امتیازی نشان رہے گا)

چند آیات کے بعد یہی حکم اس طرح دہرایا گیا:

لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۔(۱۸۶)

تم لوگوں کی مال اور جان کے سلسلہ میں ضرور آزمائش ہوگی، اور تم ان لوگوں سے جن پہلے کتاب دی گئی تھی اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے، اور اگر تم صبر اور تقوی اختیار کرو تو یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

سورت کے اختتام پر پھر ایک بار اس حکم کا اعادہ کیا گیا، گویا سورہ میں مذکور تمام احکام کا خلاصہ انہی دو باتوں میں جمع ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۲۰۰)

(اے ایمان والو! صبر کرو، ثابت قدمی اختیار کرو، تیار رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ)

سورہ آل عمران کے علاوہ دوسری دوسری جگہ بھی صبر اور تقوی کا حکم ایک ساتھ آیا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کو جب ان کے بھائیوں نے پہچان لیا اور ان کے اس مقام بلند سے واقف ہوئے تو حضرت علیہ السلام نے اس بلندی کی وجہ بتائی:

قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۖ إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (یوسف:۹۰)

(واقعی اللہ نے ہم پر احسان فرمایا جو شخص تقوی اختیار کرتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے تو یقینا اللہ تعالی اچھے عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتے)

سورہ طلاق میں ہے: وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا (۲:) (اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالی اس کے لئے نکلنے کا راستہ پیدا کر دیتے ہیں)

اس طرح صبر و تقوی کے بار بار اعادہ کا مقصد مسلمانوں کے ذہن نشیں کرانا ہے کہ صبر اور تقوی کے نتیجہ میں ہی مسلمانوں کو کامیابی ملے گی، اور جب یہ دونوں باتیں ان کی زندگی سے مفقود ہو جائیں گی تو ناکامی اور ذلت مقدر ہوگی، مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل انہی دو باتوں میں مضمر ہے

مذکورہ تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ صبر اور تقوی مسلمانوں کے تمام مسائل کی شاہ کلید ہے، جتنی جلد اس قرآنی نسخہ کو مسلمان سمجھ لیں گے اور اس حکم پر عمل پیرا ہوں گے اتنی جلد ان کے مسائل کا حقیقی اور دیرپا حل اور ان کے دکھوں کا مداوا سامنے آسکے گا۔

فکرونظر

ماڈرن 'دین ابراہیمی'
'دین الٰہی' کا نیا ایڈیشن

ڈاکٹر محمد اعظم ندوی

دنیا کے "تہذیبی" افق پر ایک نئی اصطلاح ابھری ہے: "الديانة الإبراهيمية" Abrahamic religion بہ ظاہر یہ ایک لطیف سا دعوتی ومکالماتی تصور ہے، جو امن، رواداری، اور انسانی اخوت کے بلند بانگ نعروں کے ساتھ سامنے آیا ہے؛ مگر اس کی تہہ میں جھانکیں تو ہمیں ایک گہری سیاسی چال، مذہبی استشراق، اور تہذیبی تسلط کی سرنگیں دکھائی دیتی ہیں، یہ کوئی نیا دین نہیں، بلکہ ایک خاص حکمت عملی کے تحت دین اسلام کی تشکیل جدید ہے، یہ اقوام کی وحدت نہیں، ادیان کی وحدت کا وسیلہ ہے، جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، اس کا مقصد عقائد میں اسلام کی مرکزیت، نبوتِ محمدی ﷺ پر ختم نبوت کی قطعیت، اور امت مسلمہ کی فکری خودمختاری کو تحلیل کر دینا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کا آغاز اوسلو معاہدہ سے ہی ہو گیا تھا، لیکن ابھی تازہ ابراہیمی معاہدوں Abraham Accords میں ٹرمپ نے عرب اسرائیل تعلقات کی نوعیت سے متعلق جو شقیں رکھی ہیں، ان سے اس تحریک میں تیز رفتاری نظر آ رہی ہے، در اصل ان کوششوں سے یہ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام تینوں بڑے مذاہب اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے جد امجد patriach ہیں ہی، تو کیوں نا ہم اختلافات کو مٹا کر جنگ وجدل میں وقت برباد کرنے سے بہتر ایک ہو جائیں، سیاسیات اور بین الاقوامی تعلقات کے ماہر مصری نژاد پروفیسر عصام عبد الشافی کا کہنا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنانے والے یہ منصوبے ایک مربوط اور طویل المیعاد سازش کا حصہ ہیں، جن کی بنیاد 1993 میں اوسلو معاہدے کے بعد رکھی گئی، اس وقت کے اسرائیلی صدر شمعون پیریز نے "نیا مشرق وسطیٰ" کے نام سے ایک نظریہ پیش کیا، اور The New Middle East کے عنوان سے ایک کتاب بھی لکھی، یہ منصوبہ بیس سے زائد مختلف اصطلاحات کے ساتھ آج عالمی سیاسی قوتوں، اداروں، جامعات اور تحقیقاتی مراکز کے ذریعے فروغ دیا جا رہا ہے، پروفیسر عبد الشافی کے مطابق "المسار الإبراهيمي" Abraham Path یا دیگر مشابہہ اصطلاحات گزشتہ پانچ برسوں یا 2020 کے ابراہام معاہدوں کے نتیجے میں وجود میں نہیں آئیں، بلکہ یہ ایک طویل المدت منصوبہ ہے جس پر دس سال پہلے سے علمی وتحقیقی سطح پر کام ہو رہا ہے، انہوں نے اشارہ دیا کہ 2013 میں ہارورڈ یونیورسٹی سے "مسار ابراہیم" کے عنوان سے ایک اہم دستاویز سامنے آئی، اور 2015 میں فلوریڈا یونیورسٹی نے ایک سرکاری رپورٹ جاری کی جس میں 'وفاق ابراہیمی' Abrahamic Federal Union کا تصور پیش کیا گیا، اسی طرح 2013 میں امریکی وزارت خارجہ میں ایک خصوصی شعبہ قائم کیا گیا جس کا نام تھا "اسٹریٹیجک ڈائیلاگ برائے سول سوسائٹی"، اور اُس وقت وزارت خارجہ کی سربراہی ہیلری کلنٹن کے ہاتھ میں تھی۔

غور کیا جائے تو "میسا" (MESA) اتحاد کی غرض وغایت بھی کچھ اس سے مختلف نہیں، اس کو جب امریکہ نے "عرب نیٹو" کے طور پر متعارف کرایا، تو اس کی ظاہری توجیہ یہ کی گئی کہ ایران کے جوہری خطرے سے خلیج عربی کا تحفظ کرنا مقصود ہے، مگر سوال یہ ہے کہ کیا اسرائیل، جو عرب سرزمین کو اب تک "خلیج فارس" کہہ کر پکارنے سے باز نہیں آتا، واقعی اس خطے کا محافظ بن سکتا ہے؟ کیا وہ جس کی بنیاد ہی فلسطینیوں کی جڑوں کو کاٹ کر رکھنا ہے، امن وسلامتی کا پیامبر بن سکتا ہے؟ یہ اتحاد دراصل اسرائیل کو خطے کی سیکورٹی اسٹرکچر میں باقاعدہ داخل کرنے کی ایک چال ہے؛ تاکہ عرب اقوام کو نہ صرف دفاع کے میدان میں اس پر انحصار کرنا پڑے بلکہ فکری طور پر بھی اسے تسلیم کرنے پر مجبور کیا جائے، یاد ہوگا کہ کورونا وبا کے دوران امارات میں "صلاة الأخوة الإنسانية" یا "الصلاة من أجل الإنسانية" کی خبر سامنے آئی، جس میں شیخ ازہر اور واٹیکن کے پوپ جمع ہوئے، اپنے اپنے قبلے کی جانب پہلو بہ پہلو نماز ادا کی گئی اور ایک ساتھ کورونا وبا کے خاتمے کی دعائیں مانگی گئیں، یہ 2020 کی بات ہے، اس سے قبل 2010 میں

عراق میں ایک کلیسا پر ہوئے حملے کے تناظر میں قیام امن کے لیے ''الحوار الشعائري'' کا عنوان اختیار کیا گیا کہ زبانی مذاکرات سے بہتر ہے شعائر ادیان کی مشترکہ پریکٹس کی جائے، اس طرح مسلمان اور عیسائی ایک ساتھ نماز ادا کر کے تمام کتب مقدسہ کی برکتیں حاصل کریں۔

کیا اس قسم کے ڈرامے محض روحانی جذبے سے ہیں؟ نہیں، یہ وہ سیاسی پروگرام ہیں جن کے ذریعے مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان عقائد کے فرق کو مٹانے کی کوشش ہو رہی ہے؟ تاکہ اسلام کا انضمام ہو جائے اور اس کا توحیدی امتیاز باقی نہ رہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام، قرآن کے مطابق، ''حنیف مسلم'' تھے، نہ وہ یہودی تھے، نہ عیسائی، نہ کسی ''تیسرے دین'' کے نمائندہ، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی؛ بلکہ شرک سے بیزار اللہ کے فرمانبردار تھے، اور مشرکوں میں سے نہیں تھے'' (آل عمران:67)

یہ آیت محض ایک تاریخی اعلان نہیں، بلکہ ایک عقائدی سرحد ہے، جو اسلام کو دیگر ادیان سے الگ اور منفرد بناتی ہے، ''ابراہیمی دین'' کے نام پر جو مذہبی معجون مرکب پیش کیا جا رہا ہے، اور عرب ممالک اس کے آلۂ کار اور مخلص و وفادار بنتے جا رہے ہیں، وہ قرآن کی تصریحات کی صریح خلاف ورزی ہے، آج مذہب کو سافٹ پاور کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے، ''روحانی سفارت کاری'' Spiritual Diplomacy، مذہبی قیادت، تصوف، اور رواداری جیسی اصطلاحات کو استعمال کر کے مسلم معاشروں کو نظریاتی طور پر نرم کرنے، ان سے توحید کی حساسیت کو چھین لینے کی نامحمود کوشش، اور ابلیس کی مجلس شوری کی تجویز ہے۔

میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں

اسلامی نصوص کی نئی قراءت، مشترکہ عبادت گاہیں، بین المذاہب ہاؤسز اور مختلف مذاہب کے نوجوانوں کو مشترکہ رہائش فراہم کرنے جیسے منصوبے بظاہر رواداری کے مظہر ہیں، مگر حقیقت میں یہ ''تطبیع'' Normalization کی پالیسی کا حصہ ہیں، جن کا مقصد اسرائیل کو مذہبی سطح پر بھی قبول کرنے کی راہ ہموار کرنا ہے، ابوظہبی کا ''ابراہیمی فیملی ہاؤس'' Abrahamic Family House اس پورے منصوبے کا عملی مجسمہ ہے، یہ ایک ایسا مرکز ہے جہاں مسجد، چرچ، اور یہودی معبد ایک ہی احاطے میں قائم کیے گئے ہیں، گویا عبادت گاہ نہیں، مذہب کا ''افیون'' اتارنے کا نشہ مکتی کیندر ہو، یہ مراکز نہ صرف دینی شعور کی تشکیل کر رہے ہیں، بلکہ تعلیمی اداروں، میڈیا اور ثقافتی پالیسیوں کے ذریعے نئی نسل کو ایک ایسے بیانیے سے روشناس کرا رہے ہیں جس میں اسلام کو ایک محدود حقیقت، اور دین کو ایک ثقافتی ماڈل کے طور پر سمجھا جائے، حضرت ابراہیمؑ کی جائے پیدائش ''اُر'' Ur و مقدس مقام قرار دینا، بیت المقدس میں معبد سوم اور ''جبل ہیکل'' کی بازگشت جس سے مراد قبۃ الصخرہ یا مسجد اقصی ہی ہے، اور ''صلاة الأخوة'' کی آڑ میں مسجد اقصیٰ کو یہودیوں کے لیے عبادت کی جگہ ماننا، یہ سب اسلام کے مقدسات پر نظریاتی قبضے کی راہیں ہموار کر رہے ہیں، یہ ''ابراہیمی دین'' دراصل وہی صدی کی ڈیل یا ''صفقة القرن'' 2020 Trump Israel–Palestine plan کا مذہبی چہرہ ہے، جس کے ذریعے فلسطینی کاز کو تاریخی تنازعے کی جگہ ایک ثقافتی غلط فہمی میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔

فوکویاما نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''تاریخ کا خاتمہ'' میں یہ دعویٰ کیا کہ سرد جنگ کے بعد دنیا نظریاتی کشمکش سے آزاد ہو چکی ہے اور اب انسانیت سرمایہ دارانہ جمہوریت پر متفق ہو چکی ہے؛ لہٰذا کوئی متبادل نظام اب ابھرنے والا نہیں، لیکن ان کے استاد ہنٹنگٹن نے اس تصور کو چیلنج کرتے ہوئے ''تہذیبوں کے تصادم'' کا نظریہ پیش کیا، جس میں انہوں نے واضح کیا کہ دنیا اگرچہ ترقی کی جانب بڑھ رہی ہے، مگر تہذیبی، مذہبی اور ثقافتی شناختیں نہ صرف زندہ ہیں بلکہ کسی بڑے عالمی تصادم کا پیش خیمہ بھی بن سکتی ہیں؛ کیونکہ انسان اپنی تہذیب کو صرف جدیدیت کی قیمت پر نہیں چھوڑتا، اور مغربی غلبے کو ہر قوم خاموشی سے قبول کرنے پر آمادہ نہیں، جب کہ معروف امریکی ماہر سیاسیات، بین الاقوامی امور کے محقق، اور ''ایسوسی ایشن آف انٹرنیشنل اسٹڈیز'' کے سابق صدر جیمس روزینو کے مطابق، دنیا کا مستقبل عالمی امن پر مبنی ہوگا جو ''ابراہیمی دین'' اور عقائد کے باہمی انضمام کے ذریعے حاصل کیا جائے گا؛ وہ اسے بین الاقوامی تعلقات میں تنازعات کے حل کا ایک نیا فریم ورک قرار دیتے ہیں، جس کی بنیاد رواداری، انسانی اخوت، محبت اور ہم آہنگی جیسے روحانی تصورات پر ہوگی۔

اس صورت حال کو سامنے رکھیں اور دین الٰہی کو یاد کریں جس کو مغل تاجدار جلال الدین اکبر نے ہندوستان جیسے کثیر المذاہب معاشرے میں اتحاد، ہم آہنگی اور شاہی اقتدار کو مستحکم بنانے کے دعووں پر قائم کیا تھا، اس نئے مذہب میں اسلام، ہندومت، مسیحیت، زرتشت اور سکھ مت جیسے

مذاہب کے بظاہر ''خالص اور عمدہ اصولوں'' کو یکجا کر کے ایک ایسی اخلاقی و روحانی ساخت تشکیل دی گئی تھی جو کسی خاص وحی یا شریعت پر مبنی نہیں تھی، بلکہ ایک انسان ساختہ ''تہذیبی ترکیب'' تھی، جس میں سب کچھ تھا سوائے اُس ربانی صداقت کے جو نبوت و وحی کی اساس پر استوار ہو؛ اکبر نے اس تحریک کو فروغ دینے کے لیے فتح پور سیکری میں ''عبادت خانہ'' قائم کیا، جہاں مختلف مذاہب کے علما کو اکٹھا کر کے مکالمے اور مباحثے کا ماحول بنایا گیا، رفتہ رفتہ اہل حق بالخصوص مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ کی کوششوں سے اس کا خاتمہ ہوا اور ایک ایسا دور بھی آیا جب اسی مغل امپائر میں اورنگ زیب جیسے خدا ترس بادشاہ سریر آرائے سلطنت ہوئے، اور کھل کر اپنے پردادا اکبر کے بارے میں کہا: ''جدما اکفر بود''۔

یہ وقت محض تماشائی بننے کا نہیں، بلکہ فکری مزاحمت، دینی بیداری، اور تہذیبی خودی کو پھر سے جگانے کا ہے؛ ہمیں صاف اور بے خوف لہجے میں کہنا ہوگا کہ ہم حضرت ابراہیمؑ کے دین پر ہیں، مگر وہ دین کوئی ابراہیمی مرکب نہیں، صرف اسلام ہے؛ نہ ہم توحید کے خالص مفہوم کو کسی بین المذاہب معجون میں گم ہونے دیں گے، نہ اپنی شریعت کو عالمی مفاہمت کے نام پر گروی رکھیں گے؛ جو امن وسلامتی کا پیغام عدل وصداقت، اور وحی ورسالت کے احترام پر قائم ہو، ہم اس کے محافظ ہیں، لیکن جو ''دین ابراہیمی'' کے نام پر صہیونی استعمار کا نیا چہرہ ہے، ہم اس کے منکر اور مزاحم ہیں، ہمارا شافی وکافی اللہ ہے، اور ساقی رسول اللہ ہیں۔

یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو ۞

سیرت طیبہ کے سلسلۃ الذہب کا نیا شاہکار

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رحمۃ للعالمین

تالیف: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ العالی

عہد حاضر میں محدثین ہند کی عظیم الشان روایات کے وارث و امین حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی دامت برکاتہم کی تصنیفی وتالیفی زندگی کی حاصل، سرور دوعالم ﷺ کی سیرت پاک سے روشنی اور رہنمائی کے لیے موجودہ عہد کے تقاضوں اور جدید انسانی معاشرہ ومزاج کی مناسبت سے حضور پاک ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کی دلنشیں، دلنواز اور دلکش تشریح علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی ﷺ کے سو سال بعد سیرت نگاری میں مجددانہ کارنامہ تین ضخیم جلدوں میں خیر وبرکت کی حامل یہ سیرت مصطفی عرب وعجم کے اہل نظر کی داد وتحسین کے مطابق:

۱ حضور ﷺ کی ذات اور سیرت پر لکھنے کا مطلب ہے کہ حرمین شریفین پر بھی قلم اٹھایا جائے، یہ وہ نکتہ ہے جسے ڈاکٹر تقی الدین ندوی نے اس کتاب میں خاص طور پر ملحوظ رکھا۔
محمد رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین (ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی- سابق جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ)

۲ یہ سیرت پاک کے موضوع پر گراں قدر تصنیف ہے، میں اس کو شیخ ندوی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی اور فضل ربانی سمجھتا ہوں۔ (ڈاکٹر سعود بن ابراہیم الشریم- امام وخطیب مسجد حرام مکۃ المکرمہ)

۳ یہ جامع انسائیکلوپیڈیا ہے، مشرق ومغرب میں پوری امت اسلامیہ کے لیے گراں قدر تحفہ ہے۔
(ڈاکٹر ابولبابہ طاہر صالح حسین)

۴ یہ عظیم الشان کتاب جامعیت اور دلکشی میں بے مثال اور عظیم شاہکار ہے اور ایسی کتاب ہے جس میں افراط وتفریط دونوں انتہاؤں سے بچ کر اعتدال کا راستہ اختیار کیا گیا ہے، زبان عصر حاضر کے فہم کے مطابق ہے۔
(ڈاکٹر موفق بن عبداللہ- استاذ حدیث جامعہ ام القریٰ)

۵ بنیادی خوبی یہ ہے کہ سیرت نبوی پر لکھنے کے لیے جن باتوں کا علم ضروری ہے اس میں صاحب کتاب کمال مہارت کے حامل ہیں۔ اس کے مطالعہ سے ایمان وعقیدہ کو مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔ (مولانا سید محمد رابع ندوی)

دیدہ زیب کتابت بہتر مجلد خوبصورت سرورق کے ساتھ تین جلدوں کا مکمل سیٹ حاصل کرنے کے لیے جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی اور دیوبند اور ندوہ کے مشہور مکتبوں سے رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

پتہ: **جامعہ بُکڈپو** جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی
موبائل نمبر: 9450876465 9532829745
قیمت: 2000 خصوصی رعایت کے ساتھ قیمت: 750

راہ عمل

قرآن مجید کا اعجاز لامحدود

محمد جاوید اختر ندوی

کنیڈا کے ایک مستشرق نے جس کا نام جاری میلر (Gary Miller) ہے، چاہا کہ وہ قرآن کریم کا مطالعہ کرے تاکہ اس کے اندر کچھ ایسی غلطیاں تلاش کرے جو اسے عیسائی کاز کو تقویت بہم پہونچانے میں اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دینے میں معاون ومددگار ثابت ہوں اور اپنے افکار ونظریات میں ان کو حوالے کے طور پر پیش کرے جن کو وہ اپنے معتقدین اور پیروکاروں کے سامنے برابر پیش کرتا آرہا ہے۔

پہلی مرتبہ قرآن کریم کے پڑھنے سے پہلے اس کے دل میں خیال تھا کہ قرآن مجید میں ریگستان، صحراء، بے آب وگیاہ مقامات اور بدوی زندگی کے بارے میں بتایا گیا ہوگا، اور یہی سب تفصیلات ہوں گی، اس لیے کہ قرآن مجید اس کی فکر کے مطابق محض ایک ایسی کتاب ہے جو دینی اور مذہبی ہے، اور ایک ایسے ماحول میں یہ کتاب نازل ہوئی جو سادہ اور بدوی ماحول تھا اور آج اس کے نزول پر چودہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے۔

اس کا یہ بھی خیال تھا کہ اس میں ایسے واقعات اور مشکل حالات بھی ملیں گے جو اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آئے، جنہوں نے ان کی زندگی میں مصائب کے پہاڑ توڑ دیے اور ان کو ذاتی طور پر بڑا نقصان پہونچا جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت خدیجہؓ کا انتقال، بیٹیوں اور بیٹوں کی وفات، مشفق چچا کی رحلت اور مخلص صحابیوں کی مفارقت؛ لیکن اس طرح کی کوئی بھی چیز اس کو قرآن مجید میں نہیں ملی؛ بلکہ وہ اس وقت حیران رہ گیا جب اس نے دیکھا کہ قرآن مجید میں حضرت مریم بتول علیہا السلام کے نام سے مکمل "سورۃ مریم" موجود ہے جس میں حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام ومرتبہ اور بڑائی وفضائل کو بیان کیا گیا ہے اور یہ انداز تو عیسائی کتابوں میں بھی نہیں پایا جاتا ہے، اس کے بالمقابل اس کو کوئی ایسی سورہ نہیں ملی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی حضرت عائشہؓ، چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ یا محبوب بیوی حضرت خدیجہؓ کے نام سے ہو۔

اسی کے ساتھ اس نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت عیسیٰؑ کا نام پچیس بار قرآن پاک میں آیا ہے جب کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن پر یہ کتاب نازل ہوئی کا صراحت کے ساتھ چار بار تذکرہ آیا ہے، اس سے اس کی حیرت میں اور اضافہ ہوگیا، میلر قرآن کریم کو غور وفکر سے پڑھتا رہا تاکہ اس کو کچھ ایسی لغزشیں نظر آجائیں جو اس کو عیسائیت کے تعلق سے اپنے خیالات کی مدد میں تعاون کرسکیں؛ لیکن وہ قرآن کریم کی اس آیت کو پڑھا تو حیران رہ گیا:

"أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافاً كَثِيْراً" [النساء/ ۸۲]

(بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے)۔

میلر اس آیت کو پڑھنے کے بعد کہتا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا مصنف ومؤلف نہیں جو اس جرأت وہمت اور بے باکی وبے خوفی کے ساتھ کہے کہ اس کی کتاب ہر طرح کی غلطیوں سے پاک اور محفوظ ہے؛ لیکن قرآن مجید اس کے برخلاف کھلم کھلا کہتا ہے کہ اس میں کوئی غلطی نہیں؛ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر انسانوں کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ اس میں کوئی غلطی نکال کر دکھائے اور یہ بھی بتادیا کہ وہ چاہے جس قدر بھی کوشش کرلے، اس مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

یہ کوئی نئی بات نہیں، آج بھی یہ چیلنج باقی ہے جیسا کہ اہل عرب جو عربی زبان وادب کا ایسا ذوق رکھتے تھے کہ ان ہی کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا، اور وہ اپنے کو عرب (صاف اور فصیح بولنے والا) اور دوسرے کو عجم (گونگا، بے زبان) کہتے تھے، ان کے بڑے بڑے نامی گرامی اور چوٹی کے ماہرین زبان وادب نے کوشش کرلی؛ مگر ایک چھوٹی سی آیت بھی بنا کر نہیں کرسکے۔

ڈاکٹر میلر کہتا ہے کہ جب ہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے تن تنہا وہ انقلاب برپا کیا جو تاریخ انسانی میں کوئی بھی نہیں کرسکا اور یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ شیاطین اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتے تھے، اور وہی نعوذ باللہ رسول خدا کے پاس قرآن مجید لے کر آئے، اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

"وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِيْنُ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ"

[الشعراء/ ۲۱۰-۲۱۲] (اور اس (قرآن) کو شیطان لے کر نازل نہیں ہوئے، یہ کام نہ تو ان کو سزاوار ہے اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں، اور (آسمانی باتوں کے) سننے (کے مقامات سے) الگ کردیے گئے ہیں)

اور آگے کہتے ہیں:

"فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ" [النحل/ ۹۸]

(اور جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے پناہ مانگ لیا کرو)۔

ڈاکٹر میلر کہتا ہے کہ کیا کسی نے یہ دیکھا ہے کہ کسی تالیف یا تصنیف میں شیطان کا یہ طریقہ ہوتا ہے؟ اور کیا شیطان کوئی کتاب لکھتا ہے تو یوں کہتا ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے سے پہلے تم مجھ سے پناہ مانگ لو اور پھر پڑھو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک میں اس طرح کی بے شمار آیات پائی جاتی ہیں جن میں اس طرح کے شبہ رکھنے والوں کے لیے واضح جواب ہے، قرآن مجید کی آیات میں سے جن آیتوں نے ڈاکٹر میلر کو اپنی طرف متوجہ کیا، ان میں ایک آیت وہ بھی ہے جو مسلمانوں اور یہود ونصاریٰ کے باہمی تعلقات اور دوستی کے سلسلہ میں ہے، قرآن کریم کہتا ہے کہ یہود اور مشرکین مومنوں سے سب سے زیادہ دشمنی رکھنے والے ہیں اور یہ دشمنی آج تک چلی آرہی ہے اور حالات وواقعات اس پر شاہد ہیں، قرآن مجید کہتا ہے:

"لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ" [المائدہ/ ۸۲]

(اے پیغمبر!) تم دیکھو گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں، اور دوستی کے لحاظ سے مومنوں کے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں، یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے)۔

ڈاکٹر میلر کہتا ہے کہ یہ واقعۃً بہت بڑا چیلنج ہے، یہود کے اختیار میں یہ بات تھی کہ وہ معاملے کو بدل دیتے، مسلمانوں کے تعلق سے اپنی محبت کا اظہار کرتے، ان سے دوستی اور محبت رکھتے اور کچھ برسوں کے لیے اس پر تکلفاً ہی سہی قائم رہتے اور یہ ثابت کردیتے کہ قرآن کریم میں ہمارے تعلق سے صحیح نہیں کہا گیا، ہم تو مسلمانوں کے دوست اور ہمدرد ہیں، ان کے ساتھ سارے تعلقات رکھتے ہیں، ان سے ہم محبت کرتے ہیں، ان کی محبت ہمارے دلوں میں ہے، یہ ممکن تھا اور اس طرح قرآن مجید کی آیت کی مخالفت کرسکتے تھے اور مسلمانوں سے کہہ سکتے تھے کہ دیکھو! ہم تمہارے ساتھ اچھے معاملات رکھتے ہیں، تم سے محبت کرتے ہیں، تمہاری خوشی اور غم میں شریک ہوتے ہیں اور تمہاری کتاب قرآن مجید میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ہم (یہود) تمام لوگوں میں تم سے سب سے زیادہ عداوت رکھنے والے ہیں، اس طرح قرآن مجید میں غلط بات کہی گئی ہے؛ لیکن ان لوگوں نے ایسا کبھی نہیں کیا اور نہ ایسا کرسکتے ہیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ قرآن مجید اسی ذات کا نازل کردہ ہے جو غیب کی تمام باتوں کو اچھی طرح سے جاننے والا ہے اور اس کے احاطۂ علم سے کائنات کی چھوٹی بڑی کوئی بھی چیز باہر نہیں ہے۔

اسی کے ساتھ ڈاکٹر میلر کا یہ بھی کہنا ہے کہ قرآن مجید کے اندر ایک ایسی امتیازی صفت پائی جاتی ہے جو کسی دوسری آسمانی کتاب میں نہیں پائی جاتی، وہ یہ کہ قرآن اپنے پڑھنے والوں کو صحیح اور حق معلومات فراہم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اس سے پہلے یہ باتیں نہیں جانتے تھے؛ لیکن ہم تمہارے سامنے بیان کررہے ہیں، مختلف اقوام وملل، تہذیب وتمدن، حکومتوں اور سلطنتوں کے حالات بیان کرتا ہے اور اس میں ذرہ برابر کمی بیشی نہیں کرتا، جیسا کہ ہم قرآن کریم کی اس آیت میں دیکھتے ہیں، قرآن خود کہتا ہے:

"ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ" [آل عمران/ ۴۴]

(اے محمد!) یہ باتیں اخبار غیب میں سے ہیں، جو ہم تمہارے پاس بھیجتے ہیں، اور جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے کہ مریم کا متکفل کون بنے تو تم ان کے پاس نہیں تھے اور نہ اس وقت ہی ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے)۔

اور ایک جگہ قرآن مجید کہتا ہے:

"تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ" [سورہ ہود/ ۴۹]

(یہ (حالات) منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں، اور اس سے پہلے نہ تم ہی ان کو جانتے تھے، اور نہ تمہاری قوم (ہی ان سے واقف تھی) تو صبر کرو کہ انجام پرہیزگاروں ہی کا (بھلا) ہے)۔!

وفیات

مولانا سلطان ذوق ندوی کا انتقال امتِ اسلامیہ کے لیے بڑا سانحہ

ابو احمد ندوی

ملتِ اسلامیہ اپنی پیہم زبوں حالی اور قحط الرجال کے ساتھ وقفہ وقفہ سے ایسی شخصیات سے محروم ہوتی جارہی ہے جن کا وجودِ مسعود باعثِ اطمینانِ قلب، جن کی ذات مرجعِ خلائق، اور شخصیت مرجع علم وفضل رہی، جن کی سیرت وکردار امت کے لیے مشعلِ راہ اور اوصاف وکمالات، خدمات اور کارنامے قابلِ رشک وافتخار بنے۔

حال ہی میں ایک ایسی ہی شخصیت ہمارے درمیان سے اُٹھ گئی، جن کا نام نامی مولانا محمد سلطان ذوق تھا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ بنگلہ دیش کی ایک عظیم دینی، علمی، فکری اور ادبی شخصیت تھے، علومِ شرعیہ کے گہرے علم کے ساتھ وہ اردو، عربی، فارسی اور بنگلہ زبانوں مایہ ناز ادیب وخطیب، صحافی اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ندوۃ العلماء اور سابق ناظم ندوۃ العلماء مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابو الحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان گہرا ربط وتعلق تھا، اور وہ یہاں کے فکر ومنہج سے غایت درجہ متاثر تھے۔ غالباً یہ خصوصیت انھی کو حاصل رہی کہ انھیں ندوہ کی طرف سے 'ندوی' کا اعزازی لقب دیا گیا، جو حضرت مفکرِ اسلامؒ نے ان کو دیا۔ حضرت مفکرِ اسلام کی شخصیت سے مولانا ذوق ندوی کے تاثر کا یہ عالم تھا کہ انھیں 'بنگلہ دیش کا علی میاں' بھی کہا گیا۔

چند سال قبل ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید بلال عبدالحی حسنی مدظلہ کا ایک وفد کے ساتھ بنگلہ دیش کا ایک علمی، دعوتی اور ثقافتی دورہ ہوا تھا، جس میں مولانا سید محمود حسن حسنی مرحوم اور مولانا عمیر حسینی اور راقمِ سطور بھی تھے۔ اس دورہ میں مولانا ذوق سے ملاقات اور ان کے ادارہ دار المعارف کاکس بازار میں وفد کے اعزاز میں منعقد کردہ پروگرام میں شرکت ایک خوش گوار تاثر کے ساتھ آج بھی یاد ہے۔ مولانا گرچہ اس وقت علیل تھے، اور کافی علیل تھے، قیام گاہ سے باہر نہیں نکلتے تھے؛ لیکن مفکرِ اسلام اور ندوہ کی نسبت کے حامل وفد کے اعزاز میں نکل کر تشریف لائے، میہمانوں کو استقبالیہ خطبہ سے نوازا، اور آخر پروگرام تک اپنی نشست پر جلوہ افروز رہے، ان کا خطاب ندوہ اور اہلِ ندوہ سے غایت درجہ تعلق اور تاثر پر مبنی تھا، جس کے دوران وہ کئی بار آبدیدہ بھی ہوئے۔ ان کی شخصیت میں دیگر خصائص واوصاف کے علاوہ جو خاص بات نظر آئی وہ ان کا عربی واردو زبانوں میں تصلب تھا، خاص طور پر اردو کو اہلِ اردو؛ بلکہ اہلِ لکھنؤ کے لب ولہجہ میں بولتے ہوئے راقمِ سطور نے اس سے قبل اور نہ اس کے بعد کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس کی مادری زبان اردو نہ ہو؛ انتہائی معیاری زبان......، سلاست وطلاقت...... اور شستہ وشگفتہ لہجہ......، سبحان اللہ!!

مولانا ندوی کی پیدائش ۷ ۱۹۴۳ء میں بنگلہ دیش کے معروف وخوبصورت ساحلی شہر کوکس بازار کے ایک گاؤں میں ایسے خاندان میں ہوئی جو علم ودین اور صلاح وتقوی کا گہوارہ تھا، اور علمی رسوخ اور صحتِ عقائد میں امتیاز رکھتا تھا۔ آپ نے ایک سرکاری اسکول میں سماجی علوم اور ناظرہ قرآن سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا، پھر مدرسہ امدادیہ قاسم العلوم میں داخلہ لیا، اور قرآنِ کریم اور ابتدائی دینی تعلیم کا مرحلہ طے کیا، پھر مدرسہ اسلامیہ میں پرائمری پانچویں کلاس میں داخل ہوئے، اور اردو و فارسی کی تعلیم لی، بعد ازاں متوسط مرحلہ کی تعلیم کے لیے 'اشرف العلوم' پہنچے، یہ قریبی مدارس تھے۔ اس کے بعد شوال ۱۳۸۲ھ میں بنگلہ دیش کی عظیم دینی درسگاہ 'جامعہ اسلامیہ' چاٹگام میں ثانویہ میں داخل ہوئے، جہاں آپ کو اپنی علمی وادبی صلاحیتوں کو نکھارنے کا خوب موقع ملا، اور علومِ شرعیہ کے ساتھ اردو، عربی اور فارسی ادب میں مہارت حاصل کی۔ یہیں سے آپ نے ۱۹۵۹ء میں دورۂ حدیث سے فراغت پہلی پوزیشن کے ساتھ حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے تدریس کی مشغولیت اختیار کی۔ آپ کی صلاحیت و قابلیت کی وجہ سے اہلِ مدارس نے آپ کو بغرض تدریس ہاتھوں ہاتھ لیا، اور آپ نے کئی اہم مدارس میں تدریس کا فریضہ انجام دیا......، آخرکار ۱۹۸۰ء میں جامعہ اسلامیہ میں حدیث وادب اور دیگر اہم موضوعات کی تدریس کا موقع ملا، جہاں آپ نے تدریس کے ساتھ طلبہ کی علمی، ادبی، تحریری اور تقریری صلاحیتوں کو بیدار کرنے میں اپنے ذوق ومنہج اور صلاحیت وقابلیت کا خوب استعمال کیا؛ علمی وادبی انجمنیں قائم کیں، اور ہفتہ واری ادبی محفلیں اور مشاعرے منعقد کیے، اور آج بنگلہ دیش میں بالخصوص عربی زبان وادب کے حوالہ سے جو قابلِ قدر نتائج ہمارے سامنے ہیں' ان کے بارہ میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ

ع یہ سب پودا نھی کی لگائی ہوئی ہے

(باقی صفحہ ۵ ر پر)

تعارف وتبصرہ

آسان ترجمۂ قرآن کریم

از:- مفتی ابو القاسم محمد عتیق فرنگی محلی

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

رب العالمین واحکم الحاکمین کی آخری کتابِ رشد و ہدایت ' قرآنِ مجید وفرقانِ حمید سے علمائے امتِ اسلام کا علمی شغف اس درجہ رہا ہے کہ لگ بھگ ۱۴۰۰ رسو سال کے عرصہ میں ان کی قرآنی خدمات کا شمار تو درکنار؛ صحیح اندازہ بھی کرنا مشکل ہے۔ یہ قرآنی خدمات مختلف وجوہ سے کی گئی ہیں، اور ہر ایک نے ایک الگ زاویۂ فکر سے خدمتِ قرآن کو اپنا موضوع بنایا ہے؛ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ کسی تفسیر میں نحوی وصرفی رنگ غالب ہے، کسی میں بلاغت ومعانی سے بحث کی گئی ہے، کسی میں فقہی احکام بیان کرنا مقصود ہے تو کسی میں احسان و تصوف کے مسائل موضوعِ بحث ہیں اور کسی میں تاریخ وسائنس سے تقابل روا رکھا گیا ہے۔

اسی طرح قرآن کے آفاقی پیغام کو ساری انسانیت اور بالخصوص امتِ اسلامیہ میں عام کرنے کے لیے'اس کے مختلف زبانوں میں ترجمے بھی ہوتے رہے ہیں، اور شاید ہی دنیا کی کوئی معروف زبان ہو جس میں قرآنی آیات کے مفاہیم ومعانی کی ترجمانی کی کوشش نہ کی گئی ہو۔

جہاں تک اردو ترجموں کی بات ہے' اس میں بھی ہمیں الگ الگ رنگ نظر آتے ہیں؛ کہیں زبان وبیان غالب ہے، کہیں لسانی نزاکتیں ہیں، کہیں فقہی رنگ ہے، تو کہیں تصوف کا آہنگ ہے، اور بالخصوص عصر حاضر میں قرآن کے پیغام کو بے کم وکاست بغیر کسی فکری ومسلکی رنگ میں رنگے عصری زبان میں آسان تر اور عام فہم بنا کر پیش کرنے کی کوششیں کی جاری ہیں، جس کی وجہ سے اس دور میں عوام الناس میں بھی قرآنی مطالعہ کا شوق پیدا ہوتا جا رہا ہے، اور کم از کم قرآنی آیات کے اس مفہوم ومعنی تک جو ہر ایک کے فہم و ادارک میں سما سکے' رسائی سب کے لیے سہل ہوتی جا رہی ہے، فللہ الحمد!

اس میں کوئی شک نہیں کہ وقتِ حاضر میں ایسے تفسیری بیانیہ کی سخت ضرورت ہے، جو عام فہم اسلوب میں ہو، فکری تعصب اور مسلکی ترجمانی سے عاری ہو اور زبان کی چاشنی سے مزین ہو۔

ہمارے سامنے بھی اس وقت اردو زبان میں قرآن پاک کا اک ایسا ہی ترجمہ یا'تفسیری بیانیہ' زیبِ نظر ہے، جو''آسان ترجمہ قرآن عظیم'' کے نام سے موسوم ہے، اور جس کی حسین وجمیل رنگین طباعت' دعوتِ مطالعہ دے رہی ہے۔ یہ خانوادۂ فرنگی محل کے ایک فرزندِ ارجمند مفتی ابو القاسم محمد عتیق فرنگی محلیؒ کی کاوش ہے جو حالیہ امام عیدگاہ لکھنؤ وصدر علامہ عبدالحی فرنگی محلی فقہ اکیڈمی، لکھنؤ مولانا خالد رشید فرنگی محلی ندوی اور ان کے برادرِ اکبر مولانا طارق رشید فرنگی محلی ندوی بانی ''نون فاؤنڈیشن، فلوریڈا، امریکہ'' کے حقیقی پھوپا تھے۔

اس ترجمۂ قرآن کی پہلی اشاعت ۱۹۷۰ء میں کراچی پاکستان سے مذکورہ شخصیات کے بڑے چچا مولانا ابو القاسم محمد فرنگی محلی لکچرر معارف اسلامیہ کراچی یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام عمل میں آئی تھی، اس کے بعد اب یہ اشاعت 'نون فاؤنڈیشن' کے زیرِ اہتمام' علامہ عبدالحی فرنگی محلی فقہ اکیڈمی کی جانب سے ہے۔

یہ ترجمہ جو'آسان ترجمہ قرآنِ عظیم' کے عنوان سے معنون ہے، کئی پہلوؤں کا حامل ہے؛ پہلا پہلو اردو ترجمہ کا ہے، جس کو'رکنِ ایمان ترجمۂ قرآن' کا تاریخی نام دیا گیا ہے، دوسرا پہلو ذیلی حاشیہ سے عبارت ہے، جس کو'عرائس العنوان لآیات القرآن' سے موسوم کیا گیا ہے، تیسرا پہلو جانبی حاشیہ کا ہے، جو ہر آیت کے اک عنوان سے عبارت ہے، اور چوتھا پہلو اک ضمیمہ سے عبارت ہے' جو'التوضیح العجیب' کا عنوان رکھتا ہے۔ یہ تکمیل ترجمہ کے بعد بالکل آخر میں درج ہے، اور اس میں قرآن کی ایسی ڈیڑھ سو آیات کی تفسیر بیان کی گئی ہے' جن میں شانِ رسالت یا آپؐ کے افعال سے متعلق کسی بھی قسم کے وسوسہ یا غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے یا کوئی فاسد شبہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔

آئیے! سب سے پہلے ترجمہ'رکنِ ایمان' پر نظر ڈالتے ہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ یہ تقریباً ساٹھ برس قبل کی زبان ہے؛ لیکن اس کے باوجود زبان قریب قریب عام فہم اور نہایت شستہ اور شیریں ہے، عبارت میں سلاست اور روانی پیدا کرنے کے لیے'بین القوسین' کا سہارا لیا گیا ہے، جس کا بالعموم ایک زبان سے دوسرے زبان میں ترجمہ کرتے وقت مترجم محتاج رہتا ہے، اور بالخصوص قرآن کے بلاغی اعجاز سے نبرد آزما ہونے کے لیے ہمیشہ مترجمین قرآن کی ضرورت رہا ہے۔ ترجمہ پر ایک نظر ڈالنے سے مترجم کی زبان دانی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے، عربی اور اردو دونوں ہی زبانوں پر ان کی گرفت کافی مضبوط ہے، خاص طور پر اردو میں ان کا مقام بہت بلند ہے، اور وہ بلاشبہ اردو ادباء کے اعلیٰ طبقہ میں شمار

کیے جاسکتے ہیں، آغاز میں ان کا 'انتساب' نامہ اردو کی فصاحت و بلاغت کا اک جیتا جاگتا نمونہ ہے، اور قدیم اربابِ تصنیف اور خود اس خانوادۂ علم و فضل کے اسلاف کی یاد دلاتا ہے۔

ذیلی و جانبی حاشیوں کی بات کریں تو ذیلی حاشیہ 'عرائس العنوان' میں عام روایتی اندازِ تفسیر سے پہلوتہی کرتے ہوئے آیات کا خلاصہ اور ان کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے، جب کہ جانبی حاشیہ میں ہر آیتِ کریمہ کے محاذات میں اس کا ایک انتہائی جامع عنوان دو دو تین تین لفظوں میں دیا گیا ہے، جس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوسکتا ہے کہ قرآنی موضوعات پر بحث و تحقیقات کرنے والا یا کسی خاص جزوی موضوع کی جستجو کرنے والا ان حاشیوں پر سرسری نگاہ ڈالتا ہوا تیزی سے اپنے مقصد کی آیات کا تعاقب و انتخاب کرسکتا ہے، ساتھ ہی ان عناوین میں بہت سے اس نوعیت کے ہیں کہ ان سے تاریخی واقعات، شانِ نزول اور پس پردہ افراد کی نشاندہی بھی ہوتی رہتی ہے، اسی طرح ذیلی حاشیے بھی گو کہ تفسیر نہیں ہیں؛ لیکن تفسیری نکات ضرور ہیں، اور باحث کی نگاہ' وجوہِ استشہاد کی طرف راست بغیر غور و فکر کی زحمت کے مبذول کرادیتے ہیں۔ بالفاظِ دگر کہا جاسکتا ہے کہ دونوں ہی حواشی قرآن کریم 'موضوعی انڈکس' ہیں؛ البتہ عام رواج کے مطابق حروفِ تہجی کی ترتیب پر مرتب نہیں ہیں؛ بلکہ تسلسلِ آیات کے ماتحت ہیں۔

''آسان ترجمہ قرآنِ عظیم'' کے آغاز میں وقت کے بڑے اہل علم و کمال کی تحریریں بہ طورِ تقریظات شامل ہیں، جنھوں نے اس ترجمہ کی خوبی اور استناد کا اونچے لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔ سب سے پہلی تقریظ مولانا شاہ حلیم عطا صاحبؒ سابق شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء کی ہے، وہ اس ترجمہ اور مترجم کے بارہ میں فرماتے ہیں:

''قرآنِ کریم کا ترجمہ کرکے آپ نے فرنگی محل کے علمی کارناموں میں ایک اہم اضافہ کیا ہے، میں نے اس مترجَم قرآن کا کا جس قدر مطالعہ کیا بہت ہی کامیاب اور بہتر پایا، سلف کے ترجموں سے کوئی بات متجاوز نہیں پائی، اردو میں یہ ایک غیر مسبوق کام ہے جو لائقِ استفادہ ہے''۔

دوسری تقریظ عظیم عالمِ دین و فلسفی مولانا عبد الباری ندویؒ کے قلم سے ہے، اس ترجمۂ قرآن پر ان کے بے لاگ تبصرہ معائنہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

''قلم تمام تر ماشاء اللہ سلفی ۔فرنگی محلی ہے؛ اس لیے تجدد کی کسی ضلالت کا کیا، جمہور امت کے مسلمات کے خلاف کسی ادنی سے ادنی بے احتیاطی کا بھی احتمال نہیں، بے کھٹکے عوام و خواص سب مستفید ہوسکتے ہیں''۔

اس کے بعد کی تقریظ میں مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ جو خود مترجم و مفسرِ قرآن ہیں' مترجم کے ذوقِ خدمتِ قرآن کا اعتراف کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

''اصل شی ان کی نئے رنگ کی تحشیۂ قرآن ہے۔ مضامین قرآن مجید کا معلوم ہوتا ہے انھوں نے غائر نظر مطالعہ کیا ہے، اور اسی کے بعد انھی مطالب قرآنی کو ایک خاص ترتیب و خوش سلیقگی کے ساتھ حاشیہ پر بصورتِ عنوانات لکھتے گئے ہیں۔ عنوانات کو یوں مرتب کرنے میں خیال ایسا گزرتا ہے کہ ان کی خاص توجہ حضراتِ انبیاءؑ پر سے اعتراضات و ایرادات کے دفع میں رہی ہے۔''

ان کے علاوہ مولانا محمد عبد القادر فرنگی محلیؒ، سابق امیر شریعت بہار مولانا سید شاہ قمر الدین پھلواروی، اور سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء و رکنِ رکین رابطہ ادب اسلامی مکہ مکرمہ مولانا عبد اللہ عباس ندویؒ وغیرہم کی تقریظات ہیں جو اس ترجمۂ قرآن کو مزید استناد عطا کرتی ہیں۔

یہ اعتراف کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کہ ''آسان ترجمہ قرآنِ عظیم'' اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ ایک نایاب اور نادر قسم کی خدمتِ قرآن ہے، جو عصرِ حاضر میں بھی خواص کیا ہر عام فردِ امت کے لیے بھی ایک خاصہ کی چیز ہے، جس میں ادبی ذوق بھی ہے، زبان کی چاشنی بھی ہے، نکتہ آفرینی بھی ہے، اور سہل نگاری بھی ہے، اور بالجملہ یہ کہ قرآنِ مجید کے معانی و مفاہیم کی اک ایسی تصویر کشی ہے جو جمالِ ظاہری و باطنی ہر دو سے مزین ہے۔

❁❁

سید احمد شہید اکیڈمی کی تازہ پیش کش

علاماتِ قیامت

بقلم: سید محمد امین حسنی ندوی

صفحات: ۲۸۰ **قیمت:** ۲۸۰/روپئے

رابطہ: سید احمد شہید اکیڈمی، دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

موبائل نمبر: 9919331295

ایک جائزہ

مسلمانوں میں تعلیمی پسماندگی-لمحۂ فکریہ

محمد نفیس خان ندوی

آج مسلم معاشرہ میں وہ ساری برائیاں ڈھٹائی کے ساتھ رواج پارہی ہیں جن کو کل تک ہم نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، شادی بیاہ میں خرافات اور حد سے زیادہ اسراف، جہیز کا مطالبہ اور پھر دلہنوں کو زدوکوب کرنا ایک عام سے بات بن گئی ہے، کتنی ہی عرضیاں آپ کو دار القضا اور عدالتوں میں ایسی ملیں گی جو طلاق یا خلع کے لی دی گئی ہوں، لڑکوں اور لڑکیوں کے ناجائز تعلقات بلکہ غیر مسلموں میں شادی رچانے، محبت کے نام پر گھر سے فرار ہونے اور خاندان کی عزت پر بٹہ لگانے کا اوسط حیران کن حد تک بڑھ رہا ہے، نوجوانوں میں شراب کی بڑھتی ہوئی لت سے پورا معاشرہ متعفن ہورہا ہے، مادیت کی ایک ریس ہے جس میں آگے بڑھنے کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے اپنائے جارہے ہیں حتی کہ ایمان تک کا سودا ہورہا ہے، مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلم معاشرہ کسی بھی رخ سے ''مسلم معاشرہ'' کہلانے کا مستحق نہیں بچا، بلکہ اس کے ذریعہ سے دنیا کے سامنے کی غلط تصویر سامنے آرہی ہے، جو نہ صرف اسلام کے چہرہ کو بدنما کر کے پیش کررہی ہے بلکہ ایک بڑی تعداد کو اسلام سے بدظن کر کے دائرہ اسلام سے دور کررہی ہے۔

سوال یہ اٹھتا ہے کہ مسلم معاشرہ کی صورت حال اس قدر سنگین اور قابل تشویش کیوں ہے، جس امت کو بارگاہ خداوندی سے ''خیر امم'' کا خطاب ملا تھا اس کے ''خیر'' کا بنیادی عنصر کیوں ختم ہوگیا؟ جو امت کو افضل الامم قرار دیا گیا تھا وہ ذلت ومسکنت کے اس غار میں کیوں جاپڑی؟

اصحاب فکر ونظر کے نزدیک اس کے اسباب مختلف اور متنوع ہیں البتہ جس پر سب کا اتفاق ہے وہ یہ کہ مسلمانوں نے اور خاص کر مسلم قیادت نے تعلیم کے سلسلہ میں غفلت و بے پراوئی سے کام لیا ہے، نہ اسے اپنے زوال کا ادراک ہے اور نہ آنے والی نسل کے مستقبل کی فکر ہے، ایک عمومی غفلت ہے جس کے نتیجہ میں نوجوانوں کی اکثریت دنیوی ترقی اور اخروی کامیابی کے تقاضوں سے ناواقف ہے، اور عدم واقفیت کا نتیجہ ہے کہا یک طرف وہ معاشرہ میں بددین وبدکردار اور بسا اوقات مذہب بیزار ہورہے ہیں تو دوسری طرف بے علم و بے ہنر ہونے کی وجہ سے بے روزگار پھر رہے ہیں، اس طرح ان کا حال و مستقبل سب تباہی کے دہانے پر ہے۔

سچر کمیٹی (Sachar Committee) نے تقریبا بیس سال قبل اپنی رپورٹ میں مسلم معاشرہ صحیح تصویر پیش کی تھی کہ اس وقت صرف تیس فیصد مسلمان بچے اسکولی تعلیم سے جڑے ہوئے ہیں اور ان کی اکثریت بھی نااہل اور ملی درد سے ناآشنا اساتذہ کے ہاتھوں کھلواڑ بنی ہے، جبکہ ستر فیصد بچے یہ تک نہیں جانتے کہ اسکول کہتے کسے ہیں؟!

اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ جس قوم میں صرف تیس فیصد تعلیم ہو وہ بھی ناقابل اطمنان اور جبکہ ستر فیصد اسکول سے واقف ہی نہیں تو ایسی قوم کا مستقبل کیا ہوگا؟ اس کے باوجود ہماری خوش فہمی بلکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم اس صدی کو ''اسلامی صدی'' بنا کر رہیں گے ؎

باتوں سے بھی بدلی ہے کسی قوم کی تقدیر
جگنو کے چمکنے سے اندھیرے نہیں جاتے

جس صدی میں ہم سانسیں لے رہے ہیں وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی صدی کہلاتی ہے، آج جس قوم اور جس ملک کے پاس جتنا علم ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی کی جتنی کثرت ہے وہ اتنا ہی خوشحال اور مضبوط ہے، اس کو سمجھنے کے لیے شاید یہودیوں کی مثال دینا کافی ہوگا جن کو ایک طویل عرصہ تک اپنے کرتوتوں کی پاداش میں دربدر بھٹکنا پڑا، وہ کبھی اس ملک میں تو کبھی دوسرے ملک میں پناہ لیتے رہے، ذلت ومسکنت کی لعنت میں وہ صدیاں گذارتے رہے لیکن ان حالات میں بھی انھوں نے علم دوستی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا، تخریب عالم کی خاطر اپنے علوم کے ساتھ دنیا کی دوسری اقوام وملل کے علوم میں بھی انھوں نے مہارت پیدا کی، اور اسی کا ثبوت ہے کہ ۱۲۴/سالوں تقریباً ۶۲۱/ نوبل انعامات (Nobel Prize s) تقسیم ہوئے جن میں یہودیوں نے تقریباً ۲۱۵/انعام حاصل کیے جبکہ مسلمانوں میں صرف ۱۶/ہی اس کے حقدار بن سکے، حالانکہ آبادی کے لحاظ سے ایک یہودی کے مقابل سو مسلمان ضرور ہوں گے۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ انسانیت کو نفع پہنچانے والا کوئی بھی علم اور فن ایسا نہیں ہے جس کی ایجاد واشاعت اور اس کو کمال تک پہنچانے میں مسلمانوں نے اپنی قربانیاں نہ پیش کی ہوں، وہ علم خواہ آثار قدیمہ کا ہو یا ارضیات کا، فلکیات کا ہو یا فضاؤں اور خلاؤں کا، تاریخ کا ہو یا جغرافیہ کا،

زمین کی مسافتوں کا ہو یا کوہ پیمائی وصحرا نوردی کا، سارے علوم کی تحقیقات اوران کی توسیعات میں مسلمانوں کا ناقابل انکار وزن رہا ہے، اورآج جدید سائنس کے عنوان سے جو بالکل نئی نئی دریافتیں ہیں ان کے علاوہ کوئی میدان ایسا نہیں ہے جس میں اہل یورپ مسلمانوں کے خوشہ چیں اوران کے دست گرفتہ نہ ہوں۔

رابرٹ بریفالٹ(Robert Briffault) معروف مغربی مفکر کا اعتراف ہے:

''یورپ کی ترقی کا کوئی شعبہ اورکوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلامی تمدن کا دخل نہ ہوا اوراس کی نمایاں یادگاریں نہ ہوں جنھوں نے زندگی پر اثر ڈالا''

آج یورپ کو ہر میدان میں امامت وقیادت کا درجہ حاصل ہے، خاص کر طب کے میدان میں اس کی اختراعات محیر العقول ہیں، اس کی جدید تحقیقات نے پوری نسل انسانی کو اپنا مرہون منت بنا رکھا ہے، لیکن شاید مسلمانوں کو بھی نہیں معلوم کہ آج یورپ وامریکہ کے پاس جو طبی ذخیرہ ہے وہ سب مسلمانوں کی کاوشوں کا نتیجہ اوران کی محنتوں کا نچوڑ ہے، اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا انکار مغربی مفکرین کو بھی نہیں ہے چنانچہ رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے:

''پندرہویں صدی تک یورپ میں جتنی سائنسی سرگرمی موجود تھی وہ زیادہ تر عربوں کے علم وفضل ماخوذ تھی۔''

یورپ نے یہ دولت صرف اورصرف مسلمانوں سے ہی حاصل ہوئی ہے ورنہ اس کا دور ماضی خاص کر اس کا عہد وسطی (Dark Ages) اس قدر تاریک اور گھناؤنا تھا کہ وہ خود اس کے تذکرے سے اعراض کرتے ہیں اوراپنے لیے باعث ننگ وعار سمجھتے ہیں، تاریخی شہادتیں موجود ہیں کہ مغربی اطباء کو نفسیاتی بیماریوں کی شُدبُد بھی نہ تھی، اگر کوئی کسی نفسیاتی بیماری کا شکار ہوتا تو ان کے لیے یہ بیماری ناقابل فہم تھی، وہ ایسے شخص کو تاریک کمروں میں بند کردیتے اور اناب شناب منتروں کا ورد شروع کردیتے، اس پر سختیاں کی جاتیں، اوراس پر کسی بری آتما کا اثر سمجھا جاتا، لیکن جب وہی مریض کسی اسلامی ملک لایا جاتا تو اس کا اچھی طرح سے نفسیاتی طور پر مکمل علاج کیا جاتا تھا۔

پندرہویں صدی تک علوم وفنون کے میدان میں مسلمانوں کو ہی سرپرستی حاصل تھی، اسلام کی حقانیت اور علوم قرآن کی صداقت آشکار ہوتی جارہی تھی کہ یورپ سے مرعوبیت کے نتیجہ میں مسلمانوں میں قدیم وجدید کا فتنہ سامنے آگیا، اس فتنہ میں مسلمانوں کا علمی اتحاد بھی پاش پاش ہوگیا، جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کا علمی قافلہ دو جماعتوں میں منقسم ہوگیا، ایک کے ہاتھ میں دینی علوم کا پرچم آیا اوراس کے حاصل کرنے والے کامیاب اور جنت کے راہی قرار دیے گئے، مچھلیوں اور چیونٹیوں کی دعائیں انہیں کے لیے سایہ فگن رہیں۔ اور دوسرے نے دنیوی علوم کی کمان سنبھال لی، اس کے حاصل کرنے والے دنیا کے حریص، مادہ پرست اور بے دین قرار دیے گئے۔اس طرح علوم اسلامی کے طالب علم دو حصوں میں بٹ گئے، اور ایک دوسرے کے حریف اور صف آرا ہو گئے، ایک دوسرے کو حسرت وندامت کی نظروں سے دیکھا جانے لگا، مدارس جو کبھی قدیم وجدید کا سنگم تھے، وہ دو دھاروں میں منقسم ہوگئے، عصری درسگاہوں میں دینی تعلیم ممنوع قرار دے دی گئی اور مدارس میں عصری علوم کے داخلہ پر پابندی عائد کردی گئی، اس طرح مسلمانوں میں تحقیقی ونظریاتی زوال کا آغاز ہوا اوران کی تحقیقی اوراختراعی صلاحتیں زنگ آلود ہونے لگیں اور اسلام کے مضبوط قلعوں میں شگافیں پڑگئیں۔

مسلمانوں کے باہمی اختلافات کی بے برکتی نے انھیں ہر میدان میں کمزور اور پسپا کردیا، وہ قدیم وجدید کی بحث میں ایسے الجھے کہ نہ قدیم کی فکر رہی اور نہ جدید کا خیال رہا، اوران کے دشمنوں نے ان کو ہر طرح کی تعلیم سے ہی غافل کردیا، جس کا نتیجہ ہے کہ آج وہ ہر محاذ پر کاسۂ گدائی لیے کھڑے ہیں۔

اس وقت مسلمانوں کے پاس وسائل یا ذرائع کی کمی نہیں ہے، اگر کمی ہے تو ان وسائل کے صحیح اور برمحل استعمال کی، آج مسلمان لاکھوں نہیں کروڑوں روپئے بے جا رسم ورواج، مذہب کے نام پر غلط سلط تقریبات اور بے مقصد جلسے جلوس پر لگا رہے ہیں، اگر انھیں ملت کی تعمیر میں لگایا جائے تو پھر ملت کے مسائل خود بخود حل ہوجائیں گے، تعمیر ملت کی خشت اول صرف اورصرف تعلیم ہے۔

مسلمانوں میں تعلیمی بیداری کے لیے ضروری ہے کہ علمائے امت، قائدین ملت اور دانشوران قوم جماعت ومسلک کے اختلافات سے اٹھ کر صرف امت کے مستقبل کی فکر کریں، تعلیم کی اہمت وافادیت سے قوم کو روشناس کرائیں اوران کے درمیان تعلیم کو رواج دے کر ان کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ امت صحیح معنوں میں ''امت خیر'' بن سکے، لیکن اس کے لیے گاؤں گاؤں مہم چلانے، اورمیدان عمل میں قدم رکھنے کی ضرورت ہے ورنہ یہ ساری تحریریں صرف کتابوں کی زینت بن کر رہ جائیں گی۔

پیش رفت

ندوۃ العلماء منزل بہ منزل

الشیخ سعید الأعظمی الندوی: حیاتہ و آثارہ

مؤلفہ ڈاکٹر محمد فرمان ندوی کا اجرا

(۲۰؍مئی) ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی کی صدارت میں اس اہم وقیع کتاب کا اجراعمل میں آیا، حضرت ناظم صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی مدظلہ اگر چاہتے تو دنیا میں کہیں بھی جا سکتے تھے، کیونکہ وہ علمی صلاحیتوں کے مالک تھے لیکن انہوں نے ندوۃ العلماء سے جو پیمان وفا باندھا تھا اس پر آج تک قائم ہیں اور ندوۃ العلماء کی ہمہ جہت ترقی کے لئے ہمیشہ سے سرگرم عمل ہیں۔

مولانا نے البعث الاسلامی اور تعمیر حیات کے بانی مدیر مولانا محمد الحسنیؒ سے حضرت مہتمم صاحب کی گہری رفاقت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ عالم اسلام کے حالات پر غور کرنے کے لیے ان دونوں حضرات نے ''اسلامی ورلڈ لیگ (الرابطة الدولة الاسلامية) کی بنیاد رکھی تھی جو گویا ''رابطہ عالم اسلامی'' کی خشت اول تھی۔

اس موقع پر مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی کے بیٹے مولانا ڈاکٹر عطاء الرحمن ندوی، پروفیسر سید وسیم اختر (چانسلر انٹگرل یونیورسٹی لکھنو) اور مولانا خالد رشید فرنگی محلی نے بھی اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔

یہ کتاب ڈاکٹر فرمان ندوی کی ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے جسے مجلس صحافت ونشریات نے شائع کیا ہے

نظامت کے فرائض مولانا عمیر الصدیق ندوی (نائب مدیر تعمیر حیات) نے انجام دیے۔

حضرت مہتمم صاحب اپنی کمزور صحت کے باوجود پروگرام میں شریک رہے اور اختتامی بھی دعا کرائی۔

ماہانہ مذاکرۂ علمی کا انعقاد

(۲۸؍مئی) شعبہ اختصاص کے تحت ناظم ندوۃ العلماء کی زیر صدارت ایک مذاکرۂ علمی کا انعقاد ہوا جس میں شعبۂ اختصاص برائے علوم الحدیث کے ذمہ دار ڈاکٹر ابوسحبان روح القدس ندوی نے امام نوویؒ کی مشہور کتاب ''ریاض الصالحین'' پر ''علمی نقوش وآثار'' کے عنوان سے ایک جامع اور معلومات افزا مقالہ پیش کیا۔

فاضل مقالہ نگار نے ''ریاض الصالحین'' کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ مختلف زبانوں اور مختلف ادوار میں اس کتاب پر مسلسل کام ہوتا رہا ہے، عربی میں ''کنوز ریاض الصالحین'' کے نام سے ۲۲ جلدوں پر مشتمل ایک عظیم الشان کام، اور اردو میں کم از کم ۱۱۴ اہل علم نے اس پر تراجم اور شروحات تحریر کیں، جن میں مولانا علی میاںؒ کی ہمشیرہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی ''زادسفر'' کو خاص پذیرائی ملی۔

حضرت ناظم صاحب نے صدارتی گفتگو میں فرمایا کہ اخلاص نیت اور وقت کے صحیح استعمال سے انسان محدود مدت میں بھی عظیم کارنامے انجام دے سکتا ہے۔ انہوں نے مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ اور امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النوویؒ جیسے عظیم علماء کی مثالیں دیں جنھوں نے کم عمری میں رحلت کے باوجود علمی دنیا میں ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔

شعبہ اختصاص فی علوم الفقہ کے ذمہ دار مفتی عتیق احمد بستوی نے ڈاکٹر ابوسحبان کے مقالے کو تحقیق وجستجو کا اعلیٰ نمونہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ مقالہ ریسرچ اسکالرز کے لیے ایک مثال ہے کہ کس طرح گہرے مطالعے اور عرق ریزی سے علمی کام انجام دیا جاتا ہے۔

کتاب شفا درحقوق مصطفیٰ ﷺ

مصنفہ مولانا علاء الدین ندوی کا اجرا

(۲۸؍مئی) ''انسانی تاریخ میں کوئی شخصیت ایسی نہیں ہے جس پر اتنا زیادہ علمی وتحقیقی کام ہوا ہو جتنا کام آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ہوا ہے، سیرت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر دفتر کے دفتر نہ سیاہ ہوئے ہوں، مسلمانوں کو چاہئے کہ سیرت طیبہ سے اپنی زندگیوں کو منور کریں، اور اسوہ رسول کو اپنی زندگی میں داخل کریں، آج سب سے زیادہ ضرورت سیرت کو پھیلانے اور تمام انسانوں تک اس کے پیغام کو پہنچانے کی ہے۔''

ان خیالات کا اظہار ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندونے مولانا محمد علاء الدین ندوی کی کتاب ''کتاب شفا درحقوق مصطفیٰ'' کی رسم اجراء کے موقع پر کیا۔

مولانا عمیر الصدیق ندوی نے کتاب کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ اس کتاب کے بہت سے ترجمے ہوئے ہیں، مگر آج کوئی معتبر ترجمہ دستیاب نہیں ہے، اس کتاب میں ادب کی جو چاشنی ہے وہ کم کتابوں میں ملے گی، اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کہیں ترجمہ کا احساس نہیں ہوتا۔

صاحب کتاب مولانا محمد علاء الدین ندوی نے ترجمہ کے حوالے سے بتایا کہ میں نے ترجمہ کے بجائے ترجمانی کی ہے، کہیں اختصار سے کام لیا تو کہیں کچھ باتوں کو حذف کرنا پڑا، لفظی ترجمہ کے بجائے توضیحی ترجمہ کی کوشش کی ہے۔

مولانا فیصل احمد ندوی نے مختلف ادوار میں اس کتاب کی اہمیت پر روشنی ڈالی جبکہ مولانا سلمان نسیم نے کتاب کی اہمیت وخصوصیات پر مقالہ پیش کیا۔

نظامت کے فرائض مولانا منور سلطان ندوی نے انجام دیے اور فضلائے ندوہ کی اس موضوع پر خدمات کا تذکرہ کیا۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کے زیر اہتمام ایک علمی مذاکرہ کا انعقاد بعنوان: "اتراکھنڈ یونیفارم سول کوڈ 2024: قانونی وآئینی تجزیہ"

(۲/جون) اس پروگرام میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر نسیم احمد جعفری (ڈین فیکلٹی آف لا انٹگرل یونیورسٹی لکھنؤ) نے شرکت کی اور اتراکھنڈ کے اس قانون کا تفصیلی جائزہ پیش کیا، انہوں نے کہا کہ یونیفارم سول کوڈ کا قانون دستور کے مختلف دفعات سے ٹکراتا ہے، اسی بنیاد پر اس قانون کو چیلنج بھی کیا گیا ہے۔

انھوں نے مزید کہا کہ ہندوستان میں تقریبا تمام مذاہب کے ماننے والوں کے لیے زیادہ تر قوانین پہلے ہی سے یکساں ہیں، صرف وہ قوانین جن کا تعلق معاشرتی معاملات سے ہے، وہ الگ ہیں، ایسی صورت میں اگر ان مسائل کو بھی یکساں کردیا جائے تو پرسنل لاء کا وجود ہی ختم ہوجائے گا۔

مولانا عتیق احمد بستوی نے صدارتی خطاب میں کہا کہ دستور میں مسلمان اور دیگر اقلیتوں کو بہت سے تحفظات حاصل ہیں، یونیفارم سول کوڈ لانے سے ان دفعات کو ختم کرنا یا ان میں تبدیلی کرنا لازم آئے گا جو کسی بھی طرح مناسب نہیں۔

انھوں نے مزید کہا کہ یونیفارم سول کوڈ لانے کا مقصد صرف ایک خاص کمیونٹی کو پریشان کرنا ہے، یہ قانون آئین ہند کی دفعہ ۲۵ سے صریح متصادم ہے جو دستور میں دیئے گئے بنیادی حقوق کا اہم حصہ ہے، صوبہ اتراکھنڈ میں نافذ کیا جانے والا یہ قانون شرعی نقطہ نظر سے قابل قبول نہیں ہے، اس میں مسلمانوں کے دستوری حقوق کی پامالی ہے، اور یہ قانون شریعہ اپلیکشن ایکٹ ۱۹۳۷ء اور دوسرے مرکزی قوانین سے متصادم بھی ہے۔

نظامت کے فرائض مولانا منور سلطان ندوی نے انجام دیے۔

ملی کالج-کولکاتہ کے زیر اہتمام "حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ آڈیوٹوریم" کا افتتاح

(کولکاتا، ۱۴ جون) ملی ایجوکیشنل آرگنائزیشن کولکاتا کے زیر انتظام "ملی کالج" اپنی تعلیمی خدمات میں نمایاں مقام کا حامل ہے، اس کالج کا سنگ بنیاد ندوۃ العلماء کے سابق ناظم مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے دست مبارک سے رکھا تھا۔ حضرت مولانا کے نام سے اس آڈیوٹوریم کی افتتاحی کی تقریب ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔

حضرت ناظم صاحب نے اپنے صدارتی خطاب میں تعلیم، اصلاحِ معاشرہ، خدمتِ انسانیت اور مولانا علی میاں ندویؒ کے عالمگیر پیغام پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے فرمایا کہ تعلیم کا مقصد محض ڈگری یا روزگار نہیں بلکہ انسان کے کردار کی تشکیل، اس کے اخلاق کی تعمیر اور اس کے اندر خدمتِ خلق کا جذبہ بیدار کرنا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ حضرت علی میاں ندویؒ نے پوری زندگی جس پیغام کو دنیا بھر میں عام کیا، وہ دین کے ہمہ گیر تصور، امت کی اصلاح اور انسانیت کے خیر خواہ بننے کی تعلیم تھی۔

دانشوران شہر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا آج کا مسلمان نہ صرف اپنی امت کے لیے بلکہ پوری انسانیت کے لیے امید کی کرن بن سکتا ہے، اگر وہ تعلیم اور خدمت خلق کے اس جامع تصور کو اپنائے جو قرآن وسنت کی اصل تعلیم ہے۔

ڈاکٹر نورالصباح اسماعیل ندوی نے تعارفی گفتگو کرتے ہوئے حضرت ناظم صاحب کی علمی، فکری اور دعوتی خدمات پر اجمالی روشنی ڈالی۔

استقبالیہ کلمات ملی ایجوکیشنل آرگنائزیشن کے صدر جناب محمد امیرالدین (بابی صاحب) نے پیش کیے۔ اور نظامت کے فرائض جناب رافع صدیقی نے انجام دیے۔

دارالعلوم میں آن لائن علمی وتربیتی نشست "فن التعامل مع الناس" کے موضوع پر ڈاکٹر احمد عودہ العمرانی کا محاضرہ

(۲۶/جون) اعلی اسلامی اخلاق ایک مثالی شخصیت کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، قرآن کریم، حدیث شریف اور سیرت نبوی میں حسن سلوک، خوش اخلاقی، نرم خوئی، خیر خواہی، حق گوئی، صداقت شعاری، وعدے کی پاسداری، دوسروں کی ضرورتوں کا خیال رکھنا تحمل، صبر، ایثار، مؤثر انسانی تعلقات، خندہ جبینی، عبادت گذاری، اور دعاؤں کا اہتمام کرنے جیسی اعلی صفات سے اپنے کو آراستہ کرنے کی ہدایات آئی ہیں۔

ان الفاظ کا اظہار معروف عالم دین شیخ ڈاکٹر احمد عودہ العمرانی (امام وخطیب جامع مسجد الراجحی حقل، تبوک سعودی عرب) نے کیا، وہ دارالعلوم کے اساتذہ وطلباء کی آن لائن علمی وتربیتی نشست بہ عنوان "فن التعامل مع الناس" پر خطاب کر رہے تھے۔

اس نشست کی صدارت مولانا محمد علاء الدین ندوی (عميد كلية اللغة العربية وآدابها) نے کی، انھوں نے اپنی صدارتی خطاب میں حسن سلوک کی اہمیت وضرورت پر بصیرت افروز گفتگو کی، اور شیخ العمرانی کے خطاب کو دور حاضر کے لیے نہایت مفید ومؤثر اور قابل تقلید عمل قرار دیا۔

یہ نشست علامہ حیدر حسن خاں ٹونکی ہال میں منعقد ہوئی جس کا اہتمام النادی العربی کی ثقافتی کمیٹی نے کیا، آغاز قاری ثمامہ کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، ڈاکٹر محمد فرمان ندوی نے ندوۃ العلماء اور اس کے شعبوں کا تعارف کرایا۔ مولانا محمد ظفرالدین ندوی نے نظامت کا فریضہ انجام دیا اور شعبۂ ثقافت کے معتمد زہیر شفیق خان نے مہمان خصوصی، اساتذہ کرام اور تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

پیش کش: محمد نفیس خان ندوی

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

باسمہٖ تعالیٰ

تاریخ ۱۰؍جولائی ۲۰۲۵ء

Date 10th July 2025

اہلِ خیر حضرات سے

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ندوۃ العلماء اپنی علمی، دینی، تعلیمی و تربیتی خدمات انجام دے رہا ہے، اور ان بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے جن کے لیے ندوۃ العلماء کو قائم کیا گیا تھا، یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور اسلامی علوم کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت۔

آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

لہٰذا آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے صدقات و عطیات چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ اور آن لائن ندوۃ العلماء کے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں منتقل فرمائیں، ایسے نازک اور مشکل حالات میں ندوۃ العلماء کے ساتھ آپ کا تعاون نہایت اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور ان کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد عمار حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

NADWATUL ULAMA

عطیات	A/c No. 1086 3759 711
تعمیرات	A/c No. 1086 3759 733
زکوٰۃ	A/c No. 1086 3759 766

IFSC CODE : SBIN0000125 - STATE BANK OF INDIA, MAIN BRANCH, LUCKNOW

ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

Nizamat office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marge, Lucknow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91-8736833376

پر مطلع فرمانے کی زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔

فجزاکم اللہ خیر الجزاء

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا

سوال و جواب

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہٖ تعالیٰ

Date ____________ تاریخ ____________

اہلِ خیر حضرات سے

اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ندوۃ العلماء اپنی علمی، دینی، تعلیمی وتربیتی خدمات انجام دے رہا ہے، اوران بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے جن کے لیے ندوۃ العلماء کو قائم کیا گیا تھا، یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین ودنیا کی جامعیت اور علم وروحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور اسلامی علوم کی برتری وامتیاز کا اعلان واظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت۔

آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کران تمام کاموں میں بھرپور تعاون واعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

لہٰذا آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے صدقات وعطیات چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ اور آن لائن ندوۃ العلماء کے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں منتقل فرمائیں، ایسے نازک اور مشکل حالات میں ندوۃ العلماء کے ساتھ آپ کا تعاون نہایت اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اوران کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد عمار حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اوراس پتہ پر ارسال کریں:

Nizamat office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marge, Lucknow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91-8736833376

پر مطلع فرمانے کی زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔

فجزاکم اللہ خیر الجزاء

NADWATUL ULAMA

عطیات	A/c No. 1086 3759 711
تعمیرات	A/c No. 1086 3759 733
زکوٰۃ	A/c No. 1086 3759 766

IFSC CODE : SBIN0000125 - STATE BANK OF INDIA, MAIN BRANCH, LUCKNOW

ONLINE DONATION LINK

https://www.nadwa.in/donation/

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا